چینی مصنف لوہسون کا ادبی شاہکار

# ایہ کیو کی سچی کہانی

مترجمہ

ہنس راج رہبر

مکتبہ شاہراہ، دہلی

بار اول  اپریل سنہ ۱۹۵۳ء
قیمت  ایک روپیہ چار آنے
تعداد  ۱۰۰۰

(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)

# ترتیب

# تعارف

نئے چین کے معماروں میں لوہسون کا نام ہمیشہ عزت اور احترام سے لیا جائیگا بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں اس نے ادب اور کلچر کی رہنمائی کا جو فرض ادا کیا ہے وہ صرف اُسی کا حصہ ہے۔ ماؤزے تنگ اپنی کتاب "چین کی نئی جمہوریت" میں اس کے متعلق رقمطراز ہے:۔

"لوہسون چین کی نئی ثقافتی قوت کا عظیم ترین اور بہادر ترین رہنما تھا۔ وہ چین کے ثقافتی انقلاب کا کمانڈر انچیف تھا۔ وہ نہ صرف ایک بڑا ادیب تھا بلکہ ایک بڑا فلاسفر اور انقلابی بھی۔ وہ چٹان کی طرح مضبوط واقع ہوا تھا۔ خوشامد اور چاپلوسی اُسے چھُو تک نہیں گئی تھی۔ وہ محکوم اور نیم محکوم انسانوں میں بہترین انسان تھا۔ لوہسون عدیم المثال، بہادر، مضبوط، راست باز، راسخ الخیال اور پُرجوش قومی ہیرو تھا۔ وہ اکثریت کا نمائندہ تھا اور ثقافتی محاذ پر دشمنوں پر بے باک حملے کرتا تھا۔ لوہسون چین کے نئے کلچر کا رہنما ہے۔"

لوہسون پریم چند کا ہم عصر تھا۔ وہ چیکیانگ کے ایک قدیم شہر شاؤہنگ میں ۲۵ر ستمبر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوا۔ اس کا دادا پیکنگ میں ایک افسر تھا لیکن جب

لوہسون تیرہ سال کا ہوا تو اس کے دادا کو بلا کسی وجہ کے جیل میں بند کر دیا گیا۔
اُس کا باپ جو ایک دانشور تھا اور سرکاری نوکری کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔
باپ کی گرفتاری کے غم میں بیمار پڑا اور تین سال بعد چل بسا۔ اب اس کے گھر
میں کمانے والا کوئی نہیں تھا اس لئے اسے اقتصادی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس
کی ماں باہمت دیہاتی عورت تھی۔ وہ پڑھنا لکھنا جانتی تھی۔ ماں کی فراخدلی اور
شاندار شخصیت لوہسون کو عمر بھر متاثر کرتی رہی۔ اس کا نام لُو (LU) تھا۔ بڑے
ہو کر جب اس نے لکھنا شروع کیا تو اسی نسبت سے اس نے اپنا نام بھی لوہسون
(LU HSUN) رکھا۔ ورنہ اس کا اصل نام چو شوجین (Chou Shu Jen) تھا۔
لوہسون بچپن ہی سے قبیلہ والوں میں اپنی ذہانت کے لئے مشہور تھا۔ وہ
چند سال کی عمر میں سکول میں داخل ہوا اور سترہ سال کی عمر تک شاؤہنگ میں
تعلیم پاتا رہا۔ اس کی خودنوشت اور دوسروں کی لکھی ہوئی تحریریں یہ بتاتی
ہیں کہ اس بارہ سال کے عرصے میں اس نے چینی قومی ادب، فلسفے اور تاریخ
کی مُستند کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کی یادداشت بلا کی تیز تھی۔ لیکن اس کے
علاوہ قابلِ تعریف بات یہ تھی کہ وہ پُرانی کتابوں کا نیا مطلب نکالا کرتا تھا اور
ساملتی اخلاقی قدروں اور پُرانے نقطۂ نظر سے اختلاف رائے کے اظہار کی
جُرأت رکھتا تھا۔ اسے ان ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی تصانیف
جمع کرنے کا خاص شوق تھا۔ جو اپنی دیش بھگتی اور ظلم کی مخالفت کے لئے مشہور
تھے۔ اس طرح وہ اپنے دیش کی بلند شخصیتوں اور ان کی انسانیت پرور روایات
سے بخوبی واقف ہو گیا۔ اور جانے اَن جانے اس کے انسان دوست اور

باطل شکن شعور کی تعمیر ہوتی رہی۔

اس کی ابتدائی زندگی کی ایک اور بات جو اس کے کردار کی تعمیر اور اس کی تخلیقات پر اثرانداز ہوئی یہ ہے کہ اسے دیہاتی زندگی سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ سادہ اور ایماندار کسانوں کے بچے اس کے دوست تھے۔ وہ اس کی زندگی میں اتنے گھل مل گئے تھے کہ اس نے اُنھیں ہمیشہ یاد رکھا۔ اور ان کی یہ خوشگوار یادیں محنت کش عوام سے اٹوٹ روحانی رشتے کا کام دیتی رہیں۔

یہ مانچو سامنت شاہی کے زوال کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے غیر ملکی سامراجیوں کو ہر طرح کے کھیل کھیلنے کا موقع ملا۔ وہ طرح طرح کے مظالم ڈھانے اور چین کو لوٹ کھسوٹ کی منڈی بنانے میں مصروف کار تھے۔ مگر دربار مانچو بادشاہ سامراجیوں کو ان حرکتوں سے باز رکھنے کے بجائے ایک طرف وہ انھیں نئی نئی مراعات دے رہا تھا۔ اور دوسری طرف عوام کی تحریکوں کو کچل رہا تھا۔ چین نیم محکوم ملک بن گیا تھا اور اس بات کا زبردست خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ غیر ملکی سامراجی طاقتیں اسے آپس میں بانٹ لیں۔

اس افراتفری اور سامراجی لوٹ کھسوٹ کا اثر چین کے دُور دراز حصوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ شاؤ ہسنگ (Shaohsing) کے پُرانے شہر میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ پُرانے نظام حیات کی بنیادیں ہل رہی تھیں۔ چینی سماج ــــ اور پوری چینی قوم کو زبردست خطرہ لاحق تھا۔ لوہسون جس خاندان میں پیدا ہوا تھا اس کے افراد پڑھے لکھے اور نوکری پیشہ تھے۔ اور یوں براہِ راست سامنت شاہی سے وابستہ تھے۔ سامراج کی جارحانہ پیش قدمی اور سامنت شاہی

کے زوال کے باعث یہ گھرانہ بھی اُجڑ رہا تھا۔ اسے بے روزگاری اور اقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ جس کے باعث لوہسون کو دیس کی سماجی حالت اپنے ذاتی تجربے سے سمجھنے کا موقع ملا۔ چونکہ وہ حساس اور ذہین واقع ہوا تھا اس لئے اُسے اپنے گھرانے کی مثال سے سماج اور پورے دیس کی حالت کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ اپنے گھر کے ناسازگار حالات اور باپ کی بیماری کے باعث تیرہ سال کی عمر سے سولہ سال تک لوہسون کو پان شاپوں اور فارمیسیوں میں اکثر جانا پڑتا تھا۔ وہاں اسے جن سرد نگاہوں سے سابقہ پڑتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے اس کے ذہن پر نقش ہوگئیں۔ پے در پے صدموں اور ناموافق حالات نے اسے غیور اور سنجیدہ بنا دیا تھا۔ اور سامنتی جبر و تشدد کے خلاف اس کے دل میں نفرت کا جذبہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ اور یہ جذبہ یہاں تک بڑھا کہ وہ شاؤہسنگ کے ماحول اور وہاں کے لوگوں سے بیزار ہوگیا اور کہیں دُور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے زوال پذیر خاندانوں کے عام پڑھے لکھے لوگوں کے دستور کے مطابق کلرک یا بیوپاری بننے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنے لئے کوئی نئی راہ کھوج رہا تھا۔

اٹھارہ سال کی عمر میں لوہسون نے شاؤہسنگ کو خیرباد کہا اور نانکنگ میں آگیا۔ اس کے پاس صرف اٹھارہ ڈالر تھے جو ماں نے کسی نہ کسی طرح بیٹے کے لئے فراہم کئے تھے۔ ایف، اے کا امتحان پاس کرنے کے لئے وہ نیول اکیڈمی سکول (Naval Acadamy School) میں داخل ہوگیا۔ یہاں غیر ملکی سائنس اور تکنیک کی تعلیم بلا فیس دی جاتی تھی۔ لوہسون نے

امتحان تو پاس کر لیا لیکن وہ اس تعلیمی ادارے سے مطمئن نہیں تھا۔ ایف، اے کا امتحان پاس کرنیکے بعد وہ سکول آف ریلویز اینڈ مائنز (School of Railways and Mines) میں داخل ہوگیا۔

لوہسون نے چار سال نانکنگ میں بسر کئے۔ یہ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۱ء تک کا ہنگامی دور تھا۔ سامنت شاہی اور سامراج شاہی کے خلاف لڑنے کے لئے لوگ کمربستہ ہو رہے تھے۔ اور حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں بوکسر بغاوت (Boxer uprising) کو دبانے کے لئے آٹھ غیر ملکی سامراجی طاقتوں نے شہر کا محاصرہ کیا اور ہزاروں انسانوں کا خون بہانے کے بعد ۱۹۰۱ء میں پیکنگ معاہدہ طے پایا۔ ظلم کی منظم اور مسلّح طاقت کے سامنے باغی عوام کو پسپا ہونا پڑا۔ لوہسون اس وقت کی آئینی اصلاحات سے خوش نہیں تھا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ ان سے کوئی بنیادی تبدیلی وجود میں نہیں آئے گی۔ اور نہ کوئی مسئلہ حل ہوگا۔ تاہم اس چار سال کے عرصے میں اس کے سیاسی شعور کا غیر معمولی ارتقا رہا۔ اور اس پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ملک کی ترقی کے لئے ایک زبردست قومی انقلاب بہت ضروری ہے جو سامراج اور مانچو شاہی خاندان کو ہمیشہ کے لئے ختم کردے۔ اسی زمانہ میں وہ مغربی سائنس سے روشناس ہوا اور اس نے ڈارون کی کتاب ـــــــ (Origin of Species) کا چینی ترجمہ پڑھا۔ وہ ڈارون کے اصولِ ارتقا سے بے حد متاثر ہوا۔ اور اس نے فیصلہ کیا کہ چین کے قومی انقلاب کو آگے بڑھانے کے لئے میں بھی سائنٹیفک علوم کا مطالعہ کروں گا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں لوہسون نے سکول آف ریلویز اینڈ مائنز سے ڈگری لی اور جاپان میں جاکر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسے سرکار کی طرف سے وظیفہ ملا۔

جاپان کا ماحول چین سے مختلف تھا وہ بڑی تیزی سے ایک سامراجی طاقت بنتا جا رہا تھا اور وہاں چینیوں کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ لوہسون نے اس قومی تذلیل کو بری طرح محسوس کیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی تمام زندگی قوم کی خدمت میں صرف کر دے گا اور دیس کو اپنا کھویا ہوا وقار اور طاقت پھر سے حاصل کرنے میں مدد دے گا۔

جاپان میں جو چینی طلبار تھے ان میں حب الوطنی کی تحریک زوروں پر تھی وہ مانچو خاندان کے سخت مخالف تھے۔ لوہسون اس تحریک کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ ڈاروِن کی تھیوری اس کی رہنما تھی۔ جاپان میں اسے وہ لٹریچر دستیاب ہونے لگا جو چین میں نایاب تھا۔ ڈاروِن کے ترقی پسند خیالات کے علاوہ اسے بائرن شیلے، پشکن اور لرمنتوف وغیرہ شاعروں کا کلام بے حد پسند تھا۔ لوہسون اس وقت جاپانی اور جرمنی دو ہی زبانیں سمجھتا تھا۔ ان میں سے اسے ان شاعروں کی کوئی کتاب بھی مل جاتی تھی تو اسے شوق سے پڑھتا تھا۔ وہ ان کے انقلابی اور حُب الوطنی کے جذبات سے اپنے جذبات کو ہم آہنگ پاتا تھا یہ انہی شاعروں کی تخلیقات کا اثر تھا کہ اس نے ڈاکٹر بننے کے بجائے ادیب بننے کا فیصلہ کیا۔

دو سال کی ابتدائی تعلیم کے بعد وہ میڈیکل کالج میں داخل ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ میڈیکل سائنس کے ذریعے چین کی انقلابی تحریک کی زیادہ خدمت کر سکے گا۔ لیکن دو سال بعد ایک معمولی سے واقعہ نے اس کے اس خیال کو

تبدیل کر دیا۔ کلاس روم میں ایک فلم دکھائی جا رہی تھی جو جاپانی روسی جنگ سے متعلق تھی۔ اس میں ایک چینی پر جاسوسی کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور جاپانیوں نے اسے سخت اذیت پہنچا کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ لوہسون نے اس واقعہ کو قومی تذلیل سمجھا لیکن دوسرے طالب علموں پر اس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ تب لوہسون کو محسوس ہوا کہ جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے کے بجائے قومی انقلاب کے لئے اس ذہنی بے حسی کا علاج بہت ضروری ہے۔ قوم کے شعور کو سنوارنے اور اسے حرکت میں لانے کا ادب ہی واحد اور موثر طریقہ ہے چنانچہ لوہسون نے ادیب بننے کا فیصلہ کیا۔

لوہسون طلبا رکی سیاسی انجمنوں کا پہلے ہی ایک سرگرم رکن تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں مانچو دشمن انقلابی سیاسی انجمن کا ــــــــ جس کا چینی نام کوآنگ فو ہوئی (Kuang-fu Hui) تھا۔ ممبر بن گیا۔ عام چینی طلبا ر سے اس کا شعور بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ انقلابی تحریک کے سرکردہ رہنما بھی سیاسی مسائل کو اتنی گہرائی سے نہیں سمجھتے تھے۔ جتنا کہ لوہسون سمجھتا تھا۔ وہ بورژوا انقلاب کی سیاسیات اور ضروریات سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اپنے جمہوری اور انقلابی خیالات کو اپنی ادبی تخلیقات میں ڈھالنے لگا تاکہ انہیں عوام کے لئے قابلِ فہم اور قابلِ قبول بنایا جا سکے۔ اس نے سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک ماہوار رسالہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا لیکن اس نے اسی سال "شاعری کی قوت" اور دوسرے مضامین لکھے اس کے علاوہ روسی اور مشرقی اور شمالی یورپ کے نثری ادب سے بہت سے

ترجمے کئے جو اُسے ایک ادبی شخصیت بنانے میں ایک تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔

جاپان میں ۸ سال گزارنے کے بعد وہ ۱۹۰۹ء میں چین لوٹ آیا اور ۱۹۱۱ء تک ہانگ چو نارمل سکول اور شاؤہنگ مڈل سکول میں کیمسٹری اور فزیالوجی پڑھاتا رہا۔ ۱۹۱۱ء کے انقلاب کے بعد اسے شاؤہنگ نارمل سکول کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ لیکن ۱۹۱۲ء میں جب چینی ری پبلک کی عبوری حکومت قائم ہوئی تو اس نے وزیرِ تعلیم کی دعوت پر منسٹری آف ایجوکیشن میں ملازمت قبول کرلی اور ۱۹۲۶ء تک وہ اسی عہدے پر مامور رہا۔

لوہسون نے ۱۹۱۱ء کے انقلاب کا سواگت کیا۔ کیونکہ اس انقلاب نے مانچو خاندان کی شہنشاہیت کو ختم کر دیا۔ لیکن انقلاب سے عوام کی جو امیدیں وابستہ تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اور لوہسون کے ذہن میں بورژوا انقلاب کا جو تصور تھا وہ اس پر پورا نہیں اُترتا تھا۔ سامنتی عناصر اور سامراجی طاقتوں سے جو سمجھوتہ کیا گیا تھا وہ لوہسون کو پسند نہیں تھا۔ وہ انقلاب کو ہر طرح پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ مکمل بورژوا انقلاب اس کا آدرش تھا۔ لیکن اس آدرش کو حاصل کرنے کے ذرائع کیا ہیں یہ وہ خود بھی نہیں سمجھتا تھا۔ خارجی حالات اور اپنے آدرش میں اسے زبردست فرق دکھائی دیتا تھا اس فرق نے اسے ایک شدید ذہنی تضاد میں مبتلا کر دیا۔ وہ تنِ تنہا اور دل برداشتہ محسوس کرتا تھا۔ اس تضاد اور بے دلی کا اثر اس کی تخلیقات پر بھی پڑنا لازمی تھا چنانچہ وہ اپنے گرد ایک جمود سا محسوس کرنے لگا۔ اور کافی عرصہ تک کوئی نئی چیز نہیں لکھ سکا۔

۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک اس نے خاموش زندگی بسر کی۔ اس کے دل میں ایک کُرید سی لگی رہی۔ جیسے وہ اندھیرے میں راہ ڈھونڈ رہا ہو۔ کسان ایک انقلابی طاقت تھے۔ اس حقیقت کو بورژوا رہنماؤں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ محسوس کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن لوہسون کو دقت یہ تھی کہ وہ اس طاقت کو سمجھنے اور محسوس کرنے ہی سے قاصر تھا۔ وہ بڑی مستعدی سے کلاسیکی کتابوں اور گذشتہ تحریکوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ غیر ملکی دانشوروں کی کتابیں پڑھتا۔ اپنی ذات اور تحریک کا تجزیہ کرتا رہا مگر نہ تضاد حل ہوتا تھا نہ راہ ملتی تھی۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب نے تمام دُنیا کو جھنجوڑ دیا۔ چین پر وہ خاص طور پر اثر انداز ہوا۔ لینن اور استالن نے قومی انقلابات اور نو آبادیاتی انقلابات کی نوعیت واضح طور پر بیان کی۔ اور ۴ مئی ۱۹۱۹ء کی تحریک میں چین کے مزدور پہلی مرتبہ ایک طبقاتی طاقت بن کر سامنے آئے۔ مزدوروں کی اس تحریک سے اور لینن ازم اور مارکسزم کی تعلیمات سے چینی انقلاب کو سیدھی اور صحیح راہ مل گئی۔ لوہسون نے اس نئی تحریک کا خیر مقدم کیا اور مزدوروں کسانوں کی انقلابی طاقت کو پہچان لیا۔ یوں اس کا ذہنی تضاد دُور ہو گیا اور اس نے پھر شدّومد سے لکھنا شروع کیا۔

لوہسون کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ جس میں "میرا گاؤں" وغیرہ دوسری کہانیوں کے علاوہ "آہ یہ کیو کی سچی کہانی" بھی شامل تھی۔ ان کہانیوں کے چھپتے ہی لوہسون کو نئے اور حقیقت پسند ادب

کا رہنما تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے کہانیوں سے کہیں زیادہ مضامین لکھے ہیں۔ جن میں اس نے سامنتی فلسفے، احیاپرستی اور رجعت پرستی پر اتنے بے پناہ حملے کئے کہ انقلاب اور عوام کے دشمن اس کے آگے ٹھہر نہیں پاتے تھے۔ اسے چینی فلسفے، ادب، تاریخ اور سماج کی پوری واقفیت حاصل تھی۔ اس کے تجزیے اتنے واضح اور صحیح ہوتے تھے کہ نوجوان اور انقلابی حلقے اس سے ثقافتی رہنمائی حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے وہ انہیں نظریاتی انقلاب کی حکمت عملی کے متعلق بھی ہدایات دیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا "حقیقت کو سمجھو"۔ "جدوجہد سخت ہے" اور "دشمن کے ساتھ کسی طرح کی رعایت مت کرو۔"

لوہسون نے اپنی کہانیوں میں بھی چینی سماج، مختلف طبقات اور ان سے وابستہ افراد اور فلسفے کا تجزیہ کیا ہے۔ "آہ کیو" اس کا شاہکار ہے۔ کہانی کا ہیرو ایک ایسا آدمی ہے جسے سماج میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ جو نام تک سے محروم ہے۔ وہ ایسی عجیب و غریب اور مضحکہ خیز حرکتیں کرتا ہے کہ بیوقوف اور احمق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قاری اس شخص سے نفرت نہیں کرتا۔ اس سماج سے کرتا ہے۔ جس کی آہ کیو پیداوار ہے۔

سنہ ۱۹۱۱ء کے انقلاب سے لوہسون کو جو مایوسی ہوئی تھی اس کی سچی اور صحیح تصویر اس کہانی میں ملتی ہے۔ انقلاب سے عوام کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔ ان کی زندگی میں کوئی اقتصادی یا سماجی تبدیلی نہیں آئی تھی پرانے طبقاتی رشتے جوں کے توں برقرار رہنے دیئے گئے تھے۔ حکومت کی

مشینری بھی وہی پرانی تھی۔ صرف عہدیداروں اور افسروں کے نام تبدیل کر دئے گئے تھے۔ مثلاً انقلاب کے بعد گورنر جنرل کو راشٹرپتی کہا جاتا تھا ورنہ حاکم وہی تھے۔ قانون وہی تھے اور جبر و تشدد کا سلسلہ وہی تھا۔ اس جبر و تشدد بے انصافی اور اندھیر گردی نے اہیہ کیو کو بھی ہیرو بنا دیا ہے۔

اس کہانی میں چینی سماج کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ موجودہ ہندستانی سماج سے غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے۔ چین ایک نیم محکوم ملک تھا۔ کہنے کو قومی جمہوری حکومت قائم تھی۔ لیکن دراصل بیوپاری سرمایہ نے سامنت شاہی اور سامراج شاہی سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ عوام غریبی اور بدحالی سے پس رہے تھے کراہ رہے تھے۔ لیکن اس باطل فلسفے میں پناہ ڈھونڈتے تھے کہ "چین چاہے اور کسی بات میں پچھڑا ہوا ہو لیکن روحانیت میں تو دُنیا کا کوئی ملک اس کا ثانی نہیں ہے" یہ جھوٹا افتخار انسان میں بے اطمینانی اور جد و جہد کا احساس بھی پیدا نہیں ہونے دیتا۔ لوہسون اپنی اس کہانی میں اس قسم کے باطل تصورات اور کنفیوشس (Confucius) کے سامنتی فلسفے کو جو چین کے پرانے سماجی رشتوں میں تہہ در تہہ سمایا ہوا تھا کھوج کھوج کر باہر نکالتا ہے اور اس پر بھرپور حملے کرتا ہے۔ اس نیم نوآبادیاتی سماج میں جو لوگ اپنے آپ کو مہذب، شریف، دانشور اور رہنما خیال کرتے ہیں۔ کہانی پڑھ کر ان کے ذہنی افلاس پہ غصہ آتا ہے اور کسی قدر رحم بھی۔

اس کہانی کے مطالعہ سے ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ ادب میں

حقیقت نگاری کا مطلب کیا ہے۔ اور ایک باشعور انقلابی ادیب اپنی اس تاریخی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ لوہسون کی یہ حقیقت نگاری خالصتاً چینی ہے۔ اس میں چینی سماج اور چینی قومی کردار کی خصوصیتیں بدرجہ اُتم موجود ہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کسی حد تک اپنی ہندوستانی حقیقت نگاری سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے دیس میں بھی اس زمانے میں نیم جاگیردارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ سماجی نظام قائم تھا۔ اور ہم انقلابی دَور سے گذر رہے تھے اور اس وقت بھی یہی کیفیت ہے۔ ہمارے ہاں ادبی حقیقت نگاری کی رہنمائی کا حق پریم چند کو حاصل ہے۔ انھوں نے بھی سماجی اور سیاسی مسائل پر لکھا ہے اور زندہ کردار پیش کئے ہیں۔ ہماری قومی سیاسی تحریک میں جو تضاد موجود تھے وہ پریم چند کی تحریروں اور ان کے نمائندہ کرداروں میں بھی موجود ہیں۔ لیکن لوہسون کو جو اعلیٰ سائنٹیفک تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل تھے وہ پریم چند کو نہیں تھے۔ دوسرے ۴ر مئی ۱۹۱۹ء کی تحریک کے بعد چینی سیاست میں جو بنیادی تبدیلی رُونما ہوئی وہ ہمارے ہاں نہیں ہو سکی گو اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے خونی حادثہ کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ ہم اپنی ابتدائی قومی تحریک کے تضاد کو حل کر کے عوام کی مدد سے تحریکِ آزادی کو انقلابی ڈھنگ سے آگے بڑھا سکتے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے اس تاریخی موڑ پر ہماری تحریک کو جو رہنمائی میسر آئی اس نے اس تضاد کو حل کرنے کے بجائے اس پر پردہ پوشی کی اور ہماری جد وجہد کے اس انقلابی اُبھار کو اصلاح پسندی اور سمجھوتہ پرستی کی راہ پر ڈالدیا۔ سیاست

کی ان خامیوں کا ادب پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ ۳۲-۱۹۳۰ء کے بعد جب بھرم ٹوٹا اور کسان مزدور ایک تاریخی حقیقت بن کر سامنے آئے تو بھی انقلابی طاقتوں کی رہنمائی ڈھنگ سے نہیں ہو سکی بشعبدہ بازی نے ایک دوسرا روپ دھارن کر لیا۔ رہنمائی بدستور بورژوا طبقہ اور سمجھوتہ پرست سامنتی عناصر ہی کے ہاتھ میں رہی۔

اس کے برعکس چین کی چار مئی ۱۹۱۹ء کی تحریک کی رہنمائی مزدور کسان طبقے کے ہاتھ میں تھی۔ کامریڈ لی ٹا ساؤ (Li - Ta - Sao) اور کامریڈ ماؤزے تنگ اس تحریک کے لیڈر تھے۔ ثقافتی انقلاب، سیاسی انقلاب کا ایک حصہ ہوتا ہے کوئی ادیب خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اپنے ملکی حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ چار مئی کی سیاسی انقلابی تحریک کے ساتھ ادب اور کلچر میں جو انقلابی ابھار پیدا ہوا لوہسون اس کا رہنما بن گیا۔ اور وہ اس رہنمائی کی تاریخی ذمہ داری سے اسی لئے عہدہ برآ ہو سکا کہ وہ اس کے لئے پہلے ہی سے شعوری طور پر مسلح تھا کہ اس نے اپنی بورژوا ذہنیت ترک کر کے مزدور کسان طبقہ کی سیاسی ذہنیت کو قبول کر لیا تھا۔ پہلے وہ صرف ڈارون کے ارتقائی اصولوں کا قائل تھا اور ترقی پسند مادی نظریہ رکھتا تھا۔ لیکن اس رہنمائی کے لئے مادی جدلیت کے انقلابی تاریخی نظریئے کو سمجھنا اور قبول کر لینا ضروری تھا۔ لوہسون نے یہ کیا اور اس کی زندگی میں یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔

لوہسون اگست ۱۹۲۶ء میں اموئے چلا گیا۔ اور اموئے یونیورسٹی میں لٹریچر کا پروفیسر بن گیا۔ مگر اسی سال دسمبر میں مستعفی ہو گیا جنوری ۱۹۲۷ء میں لوہسون کنٹن کی سن یات سین یونیورسٹی میں لٹریچر ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ مقرر ہوا۔ اسی سال اپریل میں چیانگ کائی شیک نے انقلاب کے ساتھ غداری کر کے سامنت شاہی اور سامراج شاہی کا ساتھ دیا اور کمیونسٹ

پارٹی اور انقلابی عوام کا وسیع پیمانے پر قتلِ عام کیا۔ اس موقع پر سن یات سین یونیورسٹی کے کچھ طلبا ر بھی گرفتار ہوئے اور انہیں پھانسی دیدی گئی۔ لوہسون نے انہیں رہا کروانے کی بہت کوشش کی لیکن جب کچھ نہ بن سکا تو اس نے احتجاجاً اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ اس کے بعد وہاں رہنے میں جان کا خطرہ تھا۔ اس لئے لوہسون اکتوبر میں کینٹن چلا گیا۔ اس کی زندگی کے آئندہ سال وہیں بسر ہوئے۔

لوہسون نے ۱۹۲۸ء میں ایک ماہوار رسالہ ہیٹن لیو (آبشار) نکالا۔ اور مارکسزم اور لینن ازم کی سماجی سائنس کا مطالعہ شروع کیا۔ اور پھر مارکسزم اور لینن ازم کے ادبی نظریوں کے ترجمے کئے۔ اس کے علاوہ اس نے کمیونسٹ پارٹی سے گہرا تعلق پیدا کرلیا اور اس کی رہنمائی میں چلنے والی عوامی تحریکوں میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ ان آٹھ نو سال کی ادبی تخلیق بھی باقی تمام سالوں سے کہیں زیادہ تھی خود لکھنے کے علاوہ وہ نوجوان ادیبوں کو مشورے دیا کرتا تھا۔ ان سے خط وکتابت کیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اسے اتنا کام کرنا پڑا کہ وہ تپ دق کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور آخر اس مرض کے باعث ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

اس نے چینی انقلاب اور ادب کی جو خدمت سرانجام دی ہے اس کیلئے نہ صرف چین کے بلکہ دنیا بھر کے محنت کش عوام اس کے ممنونِ احسان رہیں گے اور اس کا نام ہمیشہ عزت اور احترام سے لیں گے اور اس کی تخلیقات کو اپنا تہذیبی ورثہ سمجھیں گے۔ لوہسون کہا کرتا تھا "دشمن کے سامنے چٹان بنو اور ایک بچے کے ساتھ حلیمی سے پیش آؤ"۔ وہ زندگی بھر اس اصول پر عمل کرتا رہا۔

ہنس راج رہبر

۲۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء دہلی

# تمہید

میں متواتر کئی سال سے سوچ رہا تھا کہ ایہہ گیو کی سچی کہانی لکھوں۔ لیکن جب کبھی میں اسے لکھنے کا ارادہ کرتا تھا تذبذب میں پڑجاتا تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جسے لکھنے میں دسترس حاصل ہو کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ ایک لافانی انسان کی داستان رقم کرنے کے لیے ایک لافانی قلم درکار ہے۔ تحریر کے ذریعے وہ شخص آئندہ نسلوں سے روشناس ہوتا ہے اور اس شخص کے ذریعے وہ تحریر آئندہ نسلوں سے یوں روشناس ہوتی ہے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی شہرت دوسرے کے سہارے کی محتاج ہے۔ لیکن اپنی ان خامیوں کے باوجود میں ہمیشہ یہی فیصلہ کرتا تھا کہ مجھے ایہہ گیو کی کہانی ضرور لکھنا چاہیئے۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی غیبی طاقت مجھے اس کام کے لئے اکسا رہی ہو۔

بالآخر میں نے یہ جلد ہی بھلا دئے جانے والی کہانی لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔
لیکن جونہی میں نے لکھنے کے لئے قلم اٹھایا مجھے نا قابلِ عبور مشکلات کا احساس
ہونے لگا۔ میرے ذہن میں پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ اس کہانی کا عنوان کیا ہو؟
کنفیوشس نے کہا ہے " اگر نام درست نہ ہو تو الفاظ کا موہوم واضح نہیں ہوتا۔"
چنانچہ اس مقولے پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری تھا۔ سوانح عمری کی کئی قسمیں
ہیں۔ سرکاری سوانح عمریاں۔ خود نوشت سوانح عمریاں۔ مستند سوانح عمریاں
اور غیر مستند سوانح عمریاں۔ ضمنی سوانح عمریاں۔ خاندانی دستاویز۔ سکیچ ——
لیکن بد قسمتی سے ان میں سے کوئی بھی صنف میرے کام کی نہیں تھی۔ مستند
دستاویزوں میں بہت سے سرکردہ لوگوں کے جو حالات درج ہیں۔ اس کہانی
کا شمار یقیناً ان میں نہیں ہو سکتا۔ خود نوشت سوانح حیات ؟ لیکن بلاشبہ
میں اہہ کیو نہیں ہوں۔ اگر میں اسے غیر مستند سوانح حیات کا نام دوں تو اہہ
کی مستند سوانح حیات کون سی ہے ؟ اسے " دیو مالا کی کہانی " کہنا بھی ممکن نہیں
کیونکہ اہہ کیو مافوق الفطرت ہستی نہیں تھا۔ ضمنی سوانح حیات ؟ لیکن کسی صدر
نے قومی تاریخی ادارے کو اہہ کیو کی مستند سوانح حیات لکھنے کا حکم نہیں
دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ مستند انگریزی تواریخوں میں جواریوں کے حالاتِ زندگی
درج نہیں ہیں۔ مگر مشہور مصنف ڈکنز نے " روڈنی سٹون " (Rodney
Stone) نام سے ایک ایسی کتاب لکھی ہے۔ لیکن یہ ایک مشہور مصنف کا کارنامہ
ہے۔ مجھ ایسے گمنام مصنف کو اس کی بھی اجازت نہیں۔ اب رہی خاندانی دستاویز
لیکن مجھے خود معلوم نہیں کہ میں اہہ کیو کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ نہیں۔

اور نہ اہہ کیو کے بیٹے پوتوں نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ اگر میں اس کا نام سکیچ رکھوں تب یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب اہہ کیو کے مفصل حالات نہیں ملتے تو یہ سکیچ کس بنا پر لکھا گیا۔ بہرکیف یہ "سوانح حیات" تو ہے۔ لیکن چونکہ میرا طرزِ نگارش نہایت ناقص ہے اور میں خوانچے والوں اور قلیوں کی زبان استعمال کرتا ہوں۔ اس لئے میں اسے یہ ادبی نام دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ غیر معروف ناول نویس عام طور پر ایک فقرہ استعمال کیا کرتے ہیں — اس جملۂ معترضہ کے بعد آؤ ہم پھر سچی کہانی شروع کر دیں۔" میں اس میں سے "سچی کہانی" دو لفظ بطور عنوان منتخب کرتا ہوں۔ اس میں اگر کچھ پرانے پن کی بُو باس ہو تو میں مجبور ہوں۔

جب سوانح حیات کی صنف کا فیصلہ ہو گیا تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوا کہ کہانی کی ابتدا یُوں ہو — " فلاں اور فلاں، جس کا نام فلاں اور فلاں تھا، اور جو فلاں جگہ کا باشندہ تھا۔" لیکن مجھے خود معلوم نہیں کہ اہہ کیو کا خاندانی نام کیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک اسے چاؤ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایک دن اس میں بھی گڑبڑ پیدا ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر چاؤ کے بیٹے نے دیہاتی افسری کا امتحان پاس کیا۔ اور گاؤں میں اس کامیابی کا اعلان گھنٹیاں بجا کر کیا گیا۔ اس تقریب پر اہہ کیو نے زرد شراب کے دو جام نوش کئے۔ اور جھومتے ہوئے کہا۔ میرے لئے آج فخر کا دن ہے کیونکہ میں بھی مسٹر چاؤ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور اس ناتے سے کامیاب افسر کا میں دادا ہوتا ہوں۔ آٹھ دس آدمی جو اس کی بات سُن رہے تھے فوری طور پر اس کے عیب

میں آگئے۔ لیکن دوسرے ہی دن گاؤں کا نمبردار اہیہ کیو کو مسٹر چاؤ کے گھر بلا کر لے گیا۔ اور جونہی اس کی نظر اہیہ کیو پر پڑی اس بوڑھے آدمی نے غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے گرج کر کہا۔

"اہیہ کیو، ناہنجار آوارہ آدمی! کیا تم نے یہ کہنے کی گستاخی کی ہے کہ تم بھی میرے ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟"

اہیہ کیو سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

مسٹر چاؤ جتنا اسے دیکھ رہا تھا اتنا ہی اس کا غصہ تیز ہوتا جا رہا تھا اس نے دندناتے ہوئے دو تین قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تمہیں یہ بیہودہ بکواس کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ تم جیسا نالائق آدمی میرا رشتہ دار کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیا تمہارا خاندانی نام چاؤ ہے؟"

اہیہ کیو نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ وہاں سے چپ چاپ لوٹ آنا چاہتا تھا لیکن مسٹر چاؤ یک بیک آگے بڑھا اور اس کے منہ پر چپت رسید کر کے کہا۔

"تمہارا نام چاؤ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو چاؤ نام کے اہل سمجھتے ہو؟"

اہیہ کیو نے اپنے آپ کو چاؤ ثابت کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی بلکہ وہ اپنے دائیں گال کو سہلاتا ہوا نمبردار کے ساتھ لوٹ آیا۔ باہر آ کر نمبردار نے بھی اسے خوب گالیاں دیں۔ اور اسے خاموش کرنے کے لئے اہیہ کیو نے دو سو روپے ہرجانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ جن لوگوں کو اس واقعہ کا پتہ لگا

انھوں نے کہا کہ اہہ کیو بڑا ہی احمق ہے جو اس طرح پٹ گیا۔ شاید وہ چاؤ نہیں ہے۔ فرض کیا وہ چاؤ ہے تو بھی اسے سوچ سمجھ کر ایسی بات مُنھ سے نکالنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ گاؤں میں ایک مسٹر چاؤ موجود ہے اس کے بعد اہہ کیو کے حسب نسب کا چرچا دوبارہ نہیں ہوا اور مجھے بھی کچھ معلوم نہیں کہ اس کا خاندانی نام کیا تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ مسٹر اہہ کیو کا ذاتی نام کیونکر لکھا جائے۔ جب تک وہ زندہ رہا سب اسے اہہ کیو کہتے تھے۔ لیکن اس کی موت کے بعد کسی بھی شخص نے اس کا نام دوبارہ نہیں لیا۔ کیونکہ وہ ان ہستیوں میں سے نہیں تھا جن کا نام کتبوں پر کندہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے نام کو محفوظ رکھنے کی واقعی کوئی کوشش ہوئی تو پہلی کوشش یہ مضمون ہے۔ اور مجھے ابتدا ہی میں یہ دقت درپیش ہے۔ میں نے اس پر خوب غور وخوض کیا۔ اہہ کیو دراصل کیوای تو نہیں جس کا مطلب سفید کنول ہے یا پھر گیوری ہو سکتا ہے جس کا مطلب شرافت ہے۔ اگر اس کا دوسرا نام چندر بھان ہوتا اور وہ پورنماشی کی رات کو اپنا جنم دن منایا کرتا تو یہ واقعی گیوری، یعنی سفید کنول ہوتا۔ لیکن چونکہ اس کا کوئی دوسرا نام نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو لوگ اسے جانتے نہ تھے۔ اور اس نے اپنے جنم دن پر اس نام سے کوئی دعوت نامے بھی جاری نہیں کیئے۔ جب اس سلسلہ میں کوئی بھی ثبوت موجود نہیں تو اسے کیوای (سفید کنول) کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس کا کوئی بڑا یا چھوٹا بھائی اہہ فو (خوشحالی) ہوتا تو اس نسبت سے وہ یقیناً

ایہہ گیوای (شرافت) ہوسکتا تھا۔ لیکن یہاں بھی بات نہیں بنتی کیونکہ وہ تو بالکل تن تنہا تھا۔ لہٰذا اسے ایہہ گیوای لکھنا بھی ایک ایسی بات ہوگی کہ جس کی کسی طور تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ گیوای سے اور کوئی مناسب مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک مرتبہ میں نے مسٹر چاؤ کے لڑکے سے جو گاؤں کی افسری کے لئے کامیاب امیدوار تھا یہ سوال دریافت کیا تھا لیکن اس جیسا ذہین آدمی بھی کوئی معقول جواب دینے سے قاصر رہا۔ مگر اس نے اتنا ضرور کہا تھا کہ چن تو سی نے "جدید نوجوان" نام سے جو ماہوار رسالہ نکالا تھا۔ اس کے ذریعے غیر ملکی حرف تہجی کے استعمال کا پرچار کیا گیا۔ اس سے ہمارا قومی کلچر تباہ ہوگیا۔

چنانچہ اس قسم کی تحقیق اب ممکن نہیں۔ بس اب ایک ہی طریقہ باقی تھا کہ میں نے اپنے ضلع کے ایک آدمی کو لکھا کہ وہ عدالت میں جاکر وہ کاغذات دیکھے جن میں ایہہ کیو کے خلاف فردِ جرم تیار کی گئی تھی۔ لیکن آٹھ ماہ کے بعد مجھے اس کا ایک خط موصول ہوا جس میں درج تھا کہ سرکاری کاغذوں میں ایہہ کیو کی قسم کا کوئی نام ہی سرکاری کاغذات میں درج نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا یہ بیان کہاں تک درست ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں کوئی جانچ پڑتال بھی کی ہے یا ویسے ہی مجھے لکھ دیا ہے۔ بہرکیف اس کے بعد میرے پاس کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا جس سے اس نام کے بارے میں کسی قسم کا سُراغ لگایا جاسکے۔ اس بارے میں میں اتنی اختراع ضرور کر رہا ہوں کہ اس نام کو انگریزی اسٹائل میں ایہہ کیو لکھنے کے بجائے دیسی انداز میں ایہہ کیو

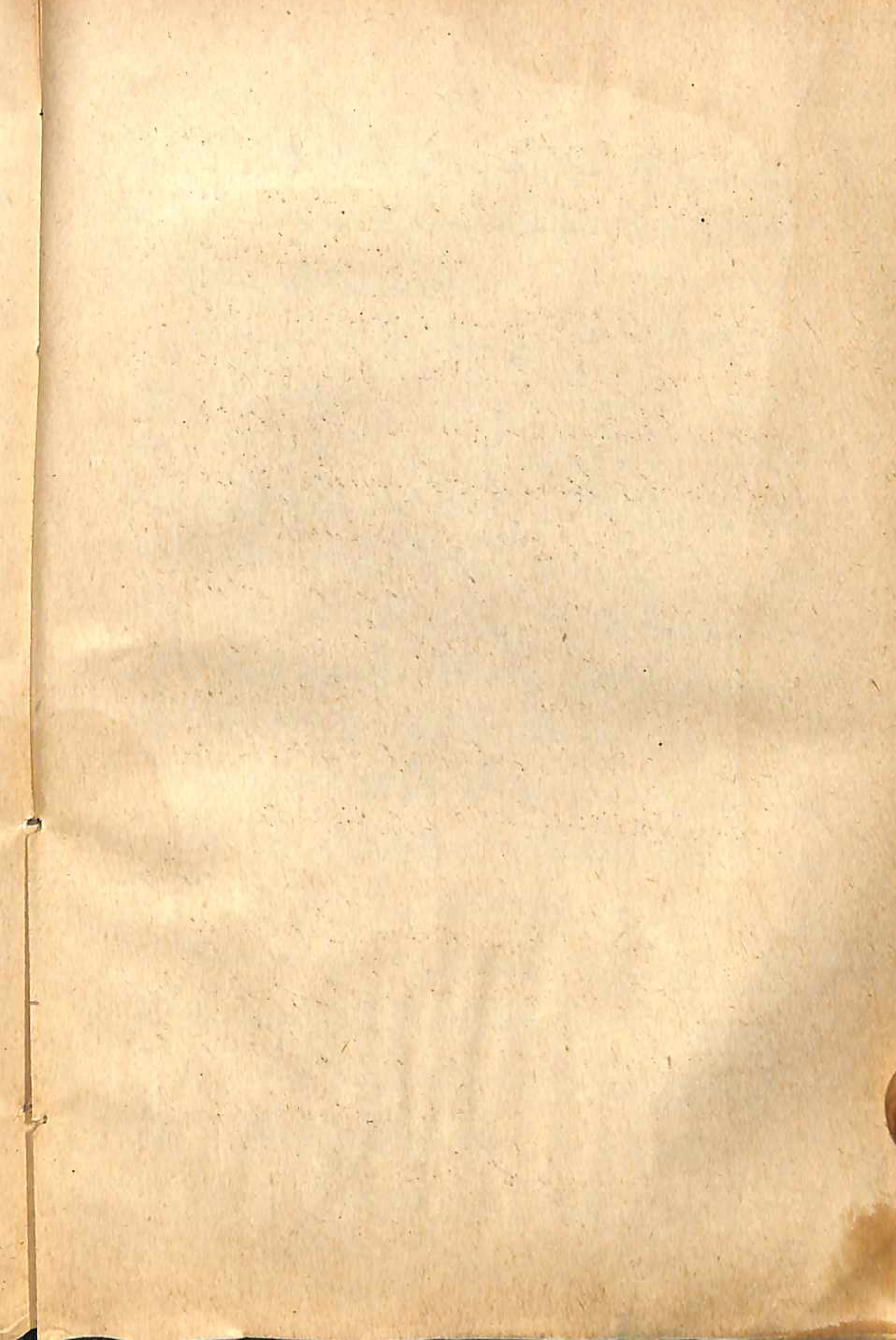
لکھ رہا ہوں۔ یوں مجھے "جدید نوجوان" رسالے کی تقلید کرنا پڑ رہی ہے۔ میں اس کے لئے بے حد شرمندہ ہوں۔ مگر کیا کروں کہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان بھی اس مسئلے کا کوئی حل پیش نہیں کر سکا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مجھے آہ کیو کی جائے پیدائش معلوم نہیں۔ اگر اس کا خاندانی نام چاؤ ہوتا تو پرانے طریقے کی رو سے جو اب بھی رائج ہے اس خاندانی نام سے اس کا ضلع معلوم ہو سکتا تھا۔ اور ہم بآسانی کہہ سکتے تھے کہ "وہ کانسو صوبہ میں تین شوئی ضلع کا باشندہ تھا۔" مگر مصیبت تو یہ ہے کہ اس کا خاندانی نام ہی معلوم نہیں لہٰذا اس کی جائے پیدائش بھی معلوم نہیں کی جا سکتی۔ بلاشبہ اس نے زندگی کا بیشتر حصہ ویچینگ میں بسر کیا۔ لیکن وہ اکثر دوسری جگہوں پر بھی جاکر رہتا تھا۔ اس لئے اسے ویچینگ کا باشندہ کہنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے ویچینگ کا باشندہ کہنا تاریخی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

لے دے کر مجھے صرف یہی اطمینان ہے کہ اس نام کا صرف "یہہ" حصہ سولہ آنے درست ہے۔ اس میں ذرا بھی ہیر پھیر نہیں ہوا اور کڑی سے کڑی تنقید بھی اسے جھٹلا نہیں سکتی۔

یہ ہیں دوسرے مسائل۔ وہ ایسے نہیں ہیں جن کا حل میرے ایسے ان پڑھ آدمی پیش کر سکیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہو شیہہ کے مقلد مورخ اور محقق مستقبل میں ان مسائل پر ضرور روشنی ڈالیں گے۔ مگر اندیشہ صرف یہ ہے کہ اس وقت تک آہ کیو کے متعلق میری یہ سچی کہانی فراموش کی جا چکی ہوگی۔

بہر کیف اس کہانی کی تمہید یہ ہے



# اہ کیو کے کارناموں کا مختصر تذکرہ

صرف اتنا ہی نہیں کہ ہمیں اہ کیو کے خاندانی نام، ذاتی نام اور جائے پیدائش کے بارے میں کچھ معلوم نہیں بلکہ ہم اس کے "پس منظر" سے بھی آگاہ نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ویچینگ کے لوگ اس کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ ہمیشہ اُسے مایۂ تفریح کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اور اس کے پس منظر کی طرف بھول کر بھی دھیان نہیں دیتے تھے۔ اس بارے میں اہ کیو نے خود بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔ صرف جب کبھی لوگوں سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تھا تو ان کی طرف بے اعتنائی سے دیکھتے ہوئے کہا کرتا تھا۔ "تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ ہم تم سے لاکھ درجہ بہتر حیثیت کے مالک تھے"

اہ کیو بالکل مجرّد تھا۔ اور ویچینگ کے ایک پرانے مندر میں رہا کرتا تھا۔ وہ کسی جگہ مستقل طور پر ملازم بھی نہیں تھا۔ وہ مختلف لوگوں کے مختلف

کام کیا کرتا تھا۔ گیہوں کی فصل کاٹنے کا موسم ہو تو وہ گیہوں کاٹتا تھا۔ کسی کو چاول پسوانے ہوں تو پیسنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اور اگر کشتی کھچوانا ہو تو وہ کشتی کھینچتا تھا۔ اگر کام کچھ زیادہ دنوں میں ختم ہونے والا ہوتا تو وہ کام کروانے والے کے گھر میں رہتا تھا۔ لیکن کام ختم ہوتے ہی وہاں سے چل دیتا تھا اس لئے جب کام کرنے کو ہوتا تو لوگ اہہ کیو کو یاد کرتے۔ لیکن جو کچھ انھیں یاد رہتا وہ اس کی خدمات تھیں۔ اور اس کا "پس منظر" نہیں۔ اور جونہی کام ختم ہوتا تھا اس کا پس منظر تو کیا خود اہہ کیو کو بھلا دیا جاتا تھا — صرف ایک مرتبہ ایک بزرگ نے اہہ کیو کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی "اہہ کیو کتنا اچھا کام کرتا ہے!" اس وقت اہہ کیو دبلا پتلا، سوکھی لکڑی سا اس کے سامنے کھڑا تھا اور جن لوگوں نے یہ الفاظ سنے وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی ہے یا مذاق کیا ہے۔ لیکن اہہ کیو خوشی سے پھولا نہیں سمایا تھا۔

اہہ کیو اپنے آپ کو بہت کچھ تصور کرتا تھا۔ ویچنگ کے تمام باشندے اس کی نظروں میں حقیر تھے کیڑے مکوڑے تھے۔ اس کے نزدیک نوجوان "عالموں" کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ سرکاری امتحان پاس کرنے کا کیا ہے وہ تو ہر نوجوان کر سکتا ہے۔ مسٹر چاؤ اور مسٹر چین کا تمام گاؤں والے احترام کرتے تھے صرف اس لئے نہیں کہ وہ امیر آدمی تھے۔ بلکہ وہ دونوں نوجوان عالموں کے باپ تھے۔ صرف اہہ کیو ہی ایک ایسا سر پھرا تھا جو ان کی ذرا بھی عزت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ وہ سوچا کرتا تھا۔ "میرے بیٹے اس سے کہیں

زیادہ ذہین ہوں گے؟

اس کے علاوہ ایہہ کیو کئی مرتبہ شہر ہو آیا تھا اس وجہ سے بھی وہ مغرور ہو گیا تھا۔ لیکن وہ شہر والوں کو بھی انتہائی حقارت سے دیکھتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک تین فٹ لمبے اور تین انچ چوڑے لکڑی کے تختے سے بنے ہوئے بنچ کو ویچنگ کے سب باشندے ایک "لمبا بنچ" کہتے تھے اور وہ خود بھی اسے لمبا بنچ کہتا تھا۔ لیکن شہر والے اسے تخت کہتے تھے اس کے خیال میں تخت کہنا بالکل غلط تھا۔ اور ان کی حماقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ویچنگ کے باشندے جب بڑے سر والی مچھلی تلتے تھے تو اس میں گوبھی کے پتے آدھ آدھ انچ چوڑے کاٹ کر ملاتے تھے۔ لیکن جب شہر والے مچھلی تلتے تھے تو وہ گوبھی کے پتے بہت ہی باریک کاٹ کر ملاتے تھے وہ شہریوں کے اس طریقے کو بھی غلط اور مضحکہ خیز سمجھتا تھا۔ اور اس کے نزدیک ویچنگ کے باشندے اس لئے جاہل اور گنوار دیہاتی تھے کہ انھوں نے کبھی شہر کی تلی ہوئی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔

ایہہ کیو مست رہنا پسند کرتا تھا وہ دنیاوی آدمی اور اچھا کام کرنیوالا تھا۔ اگر اس کے جسم میں چند نقائص نہ ہوتے تو وہ یقیناً مکمل انسان ہوتا کسی وقت اس کے سر میں پھوڑے نکلے تھے جن سے کھوپڑی پر "چمکیلے داغ" پڑ گئے تھے۔ اسے اپنے سر کے ان داغوں سے نفرت تھی۔ اور وہ انھیں اس قدر منحوس سمجھتا تھا کہ اپنی زبان سے "چمکیلے" لفظ ادا کرنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے "روشن" اور "تاباں" کہنا بھی

چھوڑ دیا اور نوبت یہاں تک آئی کہ "چراغ" اور "مشعل" بھی اس کے لئے ممنوع لفظ بن گئے۔ اب اگر کوئی شخص ان جانے ہی اس کے سامنے یہ الفاظ ادا کرتا تھا تو وہ ناراض ہوجاتا تھا اس کے داغ غصہ سے واقعی چمک اُٹھتے تھے۔ وہ کہنے والے کی طرف گھور کر دیکھتا تھا۔ گالی دے کر اپنے دل کا غبار نکالتا تھا۔ اگر وہ اسے کمزور سمجھتا تو ٹھوکر بھی مار دیتا تھا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اکثر وہ خود نقصان اُٹھاتا تھا۔ لہٰذا اس نے دوسری حکمتِ عملی اختیار کی وہ عموماً ان پر قہر آلود نگاہیں ڈال کر رہ جاتا تھا۔

لیکن اس کی یہ قہر آلود نگاہیں لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ وہ اسے تیوریاں چڑھاتے دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور ویچنگ کے سب ہی آوارہ لوگ اس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ وہ اسے دیکھتے ہی چلا اُٹھتے تھے۔

"دیکھو، دیکھو۔ وہ روشنی ہے"

ایہہ کیو ایک دم ناراض ہوجاتا تھا۔ اور انہیں قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مٹی کے تیل کا لیمپ ہے۔" وہ مذاق جاری رکھتے تھے۔ اور ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوتے تھے۔

ایہہ کیو ان سے بدلہ لینے کی سوچتا رہتا اور دیر تک اپنا سر کھُجلاتا رہتا تھا تاکہ جواب میں کوئی پھبتی کسے ——— "تم اس بات کے بھی مستحق نہیں ہو ......" ایسے موقع پر اس کی کھوپڑی کے داغ واقعی چمک اُٹھتے گویا وہ

معمولی داغ نہیں بلکہ کوئی شاندار اور برتر شے ہوں۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ایہہ کیو دنیا وی آدمی تھا وہ فوراً سمجھ جاتا تھا کہ اس نے اتنی ہی بات میں حریفوں کی زبان بند کر دی ہے لہٰذا مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

اگر آوارہ لوگ پھر بھی چھیڑ چھاڑ جاری رکھتے تو نوبت ہاتھا پائی تک آجاتی اور مار پیٹ شروع ہو جاتی۔ جو صرف اس وقت بند ہوتی جب انھیں ایہہ کیو کی مکمل شکست کا یقین ہو جاتا۔ جب وہ اس کی لمبی بھوری چوٹی پکڑ کر اس کا سر دو چار مرتبہ دیوار سے پٹک لیتے۔ تب وہ آوارہ لوگ اپنی فتح پر خوش ہوتے ہوئے اطمینان سے چلے جاتے۔ ایہہ کیو ایک دو منٹ وہاں کھڑا رہتا اور سوچتا رہتا۔ "یہ تو ایسی بات ہے جیسے خود میرے بیٹے نے مجھے پیٹا ہو۔ آج کل دُنیا کتنی خراب ہو گئی ہے۔ کل جُگ ہے......" تب وہ بھی وہاں سے چل پڑتا اور اسے بھی اپنی فتح کا اطمینان ہو جاتا۔

ایہہ کیو اپنا یہ خیال بعد ازاں لوگوں پر بھی ظاہر کرتا۔ اس سے مذاق اُڑانے والے آوارہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ یوں وہ اپنے دل میں نفسیاتی فتح کا احساس پیدا کر لیتا ہے ــــ چنانچہ اس کے بعد جب کوئی آدمی اسے پیٹتا اور اس کی لمبی بھوری چوٹی کھینچتا تو وہ اسے پہلے ہی بتا دیتا تھا۔ "ایہہ کیو تم یہ مت سمجھنا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کو پیٹ رہا ہے بلکہ یہ سمجھو کہ ایک انسان کسی جانور کو پیٹ رہا ہے۔ تم خود اپنی زبان سے کہو۔ ایک انسان ایک جانور کو پیٹ رہا ہے۔"

تب ایہہ کیو اپنی چوٹی کو جڑ سے پکڑ کر اور اپنا سر ایک طرف کو گھما کر
کہتا — "آپ ایک کیڑے مکوڑے کو پیٹ رہے ہیں ۔ ہاں میں کیڑا مکوڑا
ہوں — اب تو مجھے جانے دو۔"

لیکن اپنے آپ کو کیڑا مکوڑا تسلیم کر لینے کے باوجود آوارہ لوگ ایہہ کیو
کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے ۔ جب تک کہ وہ اس کا سر اپنے دستور
کے مطابق دیوار یا کسی اور سخت چیز سے نہیں ٹپک لیتے تھے ۔ اس کے بعد
انھیں اطمینان ہو جاتا تھا کہ انہیں فتح حاصل ہوئی ہے اور وہ چلے جاتے
تھے ۔ اور انہیں یقین ہوتا تھا کہ اس مرتبہ ایہہ کیو کا کام تمام ہو گیا ہے ۔
لیکن آٹھ دس سیکنڈ میں ایہہ کیو بھی یہ اطمینان دل میں لئے چلتا تھا کہ فتح
اسے نصیب ہوئی ہے کہ اس نے خود اپنے تئیں کیڑا مکوڑا بنا لیا ہے اور ایک
کیڑے مکوڑے کو پیٹ کر انھوں نے خود اپنے آپ کو ذلیل کیا ہے ۔ افسری
کے امتحان میں "اول نمبر" کامیاب امیدوار ہوں ۔ "اور تم اپنے آپ کو
کیا سمجھتے ہو؟" وہ بڑبڑاتا ۔

انہیں عجیب و غریب طریقوں سے اپنے دشمنوں کو شکست فاش دے کر
ایہہ کیو خوشی خوشی شراب خانے میں داخل ہوتا ۔ مے کے دو چار جام نوش
کرتا ۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ پھر مذاق کرتا ۔ پھر ہاتھا پائی اور مار پیٹ
ہوتی ۔ اور پھر ظفر یابی کا احساس دل میں لئے پرانے مندر میں لوٹ آتا اور
گہری نیند کی آغوش میں دبک جاتا ۔ اگر اس کی جیب میں پیسے ہوتے تو جوا
خانے کا رخ کرتا ۔ وہاں چار پانچ آدمی فرش پر بیٹھے ہوتے ۔ ایہہ کیو ان

ان کے درمیان جا بیٹھتا۔ اس کے چہرے سے پسینے کی دھاریں بہنے لگتیں۔ اور وہ بلند آواز میں چلا کر کہتا۔ "سبز اژدہا، چار سو!"

"اچھا ابھی کھولتے ہیں۔" جوا گھر کا مالک بھی پسینے سے تر بتر صندوق کھولتا۔ "خدا کا شکر ہے سبز اژدہا نہیں ہے شہرت اور شاہراہ ہیں۔ ان پر تم نے کچھ نہیں لگایا۔ لہٰذا تم چار سو ہار گئے۔"

"اچھا شاہراہ پر سو ــــ نہیں ڈیڑھ سو۔"

یُوں اَیہہ کیو کا روپیہ دوسرے لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا۔ جن کے چہرے پسینے سے تر بتر ہوتے۔ بالآخر اسے زبردستی باہر نکال دیا جاتا۔ اور وہ باہر کھڑا حسرت بھری نگاہوں سے جب تک کھیل جاری رہتا دوسروں کو کھیلتے دیکھا کرتا۔ کھیل ختم ہونے کے بعد وہ بوجھل دِل لئے دیوتا کے پُرانے مندر میں لوٹ آتا اور صبح جب کام پر جاتا تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی ہوتیں۔

مگر اس کہاوت کی صداقت "مصیبت بھی پوشیدہ نعمت ہوتی ہے" اس وقت ظاہر ہوتی جب وہ اتفاق سے کچھ روپے جیت لیتا اور آخر میں ایک دم سب کچھ کھو بیٹھتا۔

شام ہوگئی تھی اور اس دن ویچنگ میں دیوتاؤں کا تہوار تھا۔ رواج کے مطابق ایک ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ اور رواج ہی کے مطابق اسٹیج کے قریب جوئے کی کتنی ہی میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ ڈرامے کی گھنٹیاں اَیہہ کیو سے تین میل دُور بج اُٹھتیں۔ کیونکہ اس کی آنکھیں جواریوں پر گڑی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور اس کے مختلف اعضاء درد کر رہے تھے گویا اسے

اِدھر اُدھر ٹھوکریں لگائی گئی ہوں اور خوب پیٹا گیا ہو۔ کسی شے کی شدید کمی محسوس کرتے ہوئے وہ دیوتا کے پُرانے مندر میں واپس آگیا۔ اور جونہی وہ ہوش میں آیا اُسے محسوس ہوا کہ اس کے جمع شدہ ڈالر چوری ہو گئے ہیں۔ جو لوگ تہوار کے روز وہاں جوا کھیل رہے تھے وہ ویچنگ کے رہنے والے نہیں تھے۔ وہ چور کو کہاں تلاش کرے؟

چاندی کا دودھیا سفید اور چمکتا ہوا انبار! وہ اس کا اور صرف اس کا تھا۔ لیکن اب وہ کھو گیا تھا۔ اس وقت یہ سوچ کر بھی کہ میرا اپنا بیٹا اسے چُرا لے گیا ہے اس کی تسلی نہیں ہوئی اور اپنے آپ کو کیڑا مکوڑا تصور کر کے بھی کوئی اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ اس مرتبہ اُسے واقعی شکست کا کڑوا گھونٹ حلق سے اُتارنا پڑا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے شکست کو فتح میں تبدیل کر لیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور اپنے ہی چہرے پر اتنے زور سے دو چپت لگائے کہ وہ درد سے بلبلا اُٹھا۔ چپت لگا کر اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا کیونکہ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ چپت تو میں نے مارے ہیں لیکن جسے چپت لگے ہیں وہ کوئی اور ہے۔ گو اس کا چہرہ ابھی تک درد کر رہا تھا تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ میں نے کسی اور کو پیٹا ہے۔ وہ یہ سمجھ کر کہ آخر مجھے فتح حاصل ہوئی ہے اطمینان سے لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر میں اسے نیند آگئی۔

# ایہہ کیو کی فتوحات کا مزید تذکرہ

اگرچہ ایہہ کیو کو ہمیشہ فتوحات نصیب ہوتی تھیں۔ لیکن شہرت اسے اس وقت نصیب ہوئی جب مسٹر چاؤ نے اسے چپت سے نوازا۔

نمبردار کو دو سو ڈالر نقد جرمانہ ادا کر کے وہ غم و غصہ میں بھرا ہوا لیٹ گیا۔ بعد ازاں اس نے سوچا۔ "دنیا کس قدر خراب ہو گئی ہے۔ بیٹے باپ کو پیٹتے ہیں ......" پھر اُسے مسٹر چاؤ کے وقار کا خیال آیا اور اب وہ واقعی اُسے اپنا بیٹا سمجھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کا دل مسرت سے کھل گیا۔ وہ اُٹھا اور "مرحوم خاوند کی قبر پر نوجوان بیوہ کا گیت" گاتے ہوئے شراب خانے کی طرف چل دیا اس وقت وہ محسوس کر رہا تھا کہ مسٹر چاؤ اکثر لوگوں سے بہت ہی بلند حیثیت کا انسان ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہر ایک آدمی اس کی غیر معمولی

عزت کرنے لگا۔ اس سے وہ اندازہ لگاتا تھا کہ میں واقعی مسٹر چاؤ کا باپ ہوں لیکن درحقیقت بات یہ نہیں تھی۔ ویچنگ میں یہ دستور تھا کہ اگر ساتواں بچہ آٹھویں کو مارتا یا چوتھا لی تیسرے چنگ کو پیٹتا تو اسے نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ پیشتر اس کے کہ گاؤں کے لوگ پٹنے کو کوئی اہمیت دیں اس کا تعلق مسٹر چاؤ ایسی بلند شخصیت سے ہونا ضروری تھا۔ چونکہ پیٹنے والا مشہور آدمی تھا اس لئے اس بات کا چرچا بھی ہوا۔ چونکہ پٹنے کا چرچا ہوا اس لئے جو آدمی پٹا تھا اُسے بھی شہرت ملی۔ جہاں تک اہہ کیو کی خطا کا تعلق تھا وہ بلاشبہ خطاوار تھا۔ کیونکہ مسٹر چاؤ کا غلطی پر ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ لیکن اگر اہہ کیو کی ہی خطا تھی تو ہر ایک آدمی اس کی عزت کیوں کرتا تھا؟ اس کی تشریح مشکل ہے۔ ہمیں تو اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اہہ کیو نے دعویٰ کیا تھا کہ میں مسٹر چاؤ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ گو اس کے لئے اسے پیٹا گیا تھا۔ تو بھی لوگوں کو اس بات کا شک تھا کہ اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے۔ لہٰذا اس کا احترام کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ یا پھر دوسری وضاحت یہ ہو سکتی ہے کہ کنفیوشس کے مندر میں قربانی کے بیل والا معاملہ تھا اگرچہ بیل بھی قربانی کے سور اور بھیڑوں کی طرح ایک جانور ہی تھا۔ پھر بھی چونکہ مہرشی کنفیوشس اس سے لطف اندوز ہوا تھا چیلے اسے چھونے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے بعد اہہ کیو کی زندگی کے کئی سال فاتحانہ اطمینان سے گذر گئے۔

ایک سال بہار کے موسم میں جب وہ انتہائی مسرور کیفیت میں گلیوں میں گھوم رہا تھا اس نے وہسکر وانگ (Whisker Wang) کو دیوار کے پاس ننگے بدن بیٹھے دیکھا وہ اپنی بنڈی میں سے جوئیں نکال رہا تھا اسے دیکھ ا یہہ کیو کے جسم پر بھی جوئیں سرسرانے لگیں۔ وہسکر وانگ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اور اس کی بڑی بڑی گھنی مونچھیں تھیں۔ اس لئے لوگ اسے بھدّا وہسکر وانگ کہتے تھے۔ ا یہہ کیو اسے ہمیشہ حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ وہسکر وانگ کے رخساروں پر لمبے لمبے بال ہیں اس لئے لوگوں کو اس سے خواہ مخواہ نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ اب چونکہ وہسکر وانگ کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی اس لئے وہ بھی اس کے قریب ہی دیوار کے سہارے بیٹھ گیا۔ اگر کوئی اور آوارہ آدمی ہوتا تو اسے یوں بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ لیکن وہسکر وانگ کے نزدیک بیٹھنے میں اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا وہاں بیٹھ جانا خود وانگ کے لئے باعثِ عزّت تھا۔

ا یہہ کیو نے اپنی بوسیدہ اور پیوند لگی ہوئی بنڈی اتاری، اور اسے اُلٹ کر جوئیں ڈھونڈنے لگا۔ یا تو اس لئے کہ اس نے حال ہی میں بنڈی کو دھویا تھا یا اس لئے کہ وہ اس فن میں ماہر نہیں تھا۔ بہت ڈھونڈنے پر بھی وہ تین چار سے زیادہ جوئیں تلاش نہ کر سکا۔ لیکن اس کے برعکس وہسکر وانگ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری جوں پکڑ رہا تھا اور چٹاخ چٹاخ انہیں بڑے مزے سے کھا رہا تھا۔

آہ کیو پہلے تو مایوس ہوا پھر اس سے حسد کرنے لگا۔ یہ کیا کہ بھدّا وہسکر وانگ تو اس قدر جوئیں پکڑ لے اور اسے صرف دو چار سے زیادہ نہ ملیں۔ یہ اس کی عزّت کا سوال تھا۔ اس نے بہتیری کوشش کی کہ پانچ سات بڑی بڑی جوئیں مل جائیں اور وہ اتنی ہی بلند آواز سے چٹاخ چٹاخ کھا سکے جتنی کہ وہسکر وانگ کھا رہا تھا۔ اسے صرف ایک جوں ملی اور وہ بھی درمیانہ درجے کی۔ جسے آہ کیو نے جھنجلا کر منھ میں ڈالا۔ اور دانتوں میں زور سے چبایا۔ لیکن چٹاخ کی آواز بہت مدھم تھی۔ اُسے پھر اس بات کا افسوس ہوا کہ اس کی چٹاخ وہسکر وانگ سے کمزور ہی رہی۔

اس کے داغ غصّے سے چمک اُٹھے۔ اس نے اپنی بنڈی نیچے پٹک دی۔ اور زمین پر تھوک کر کہا "کیڑا!"

"آوارہ کتے تم کسے کوس رہے ہو!" وہسکر وانگ نے اس کیطرف حقارت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اگرچہ ان دنوں آہ کیو کا نسبتاً احترام ہوتا تھا۔۔۔ جب سے وہ کچھ زیادہ مغرور ہو گیا تھا۔ تاہم لڑنے والے سے اس کی اب بھی گھِگی دبتی تھی۔ اور اس کے سامنے وہ بھیگی بلّی بن جاتا تھا۔ مگر اس وقت اسے خاص طور پر طیش آ گیا۔ ایسا بھدّا اور بھینسا نما آدمی اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے کی کیونکر جرأت کر سکتا ہے؟

"جو کوئی سُنتا ہے میں اُسی کو کوس رہا ہوں۔" آہ کیو کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

"کیا تمھاری ہڈیاں درد کر رہی ہیں؟" وہسکر وانگ نے بھی کھڑے ہوتے اور کوٹ پہنتے ہوئے دریافت کیا۔

اہیہ کیو نے سوچا کہ وہ وہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس لئے وہ آگے بڑھ کر گھونسا وہسکر وانگ کے منھ کے قریب لے گیا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ گھونسا مارتا وہسکر وانگ نے اسے پکڑ لیا اور یوں اوندھا کر دیا کہ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہو گئیں۔ وہسکر وانگ نے فوراً اس کی چوٹی پکڑ لی اور اُسے کھینچتے ہوئے دیوار کی طرف لے چلا۔ تاکہ پُرانے دستور کے مطابق اہیہ کیو کا سر زور زور سے دیوار کے ساتھ ٹکرائے۔

"زبان سے بات کرو۔ شریف آدمی ہاتھا پائی نہیں کیا کرتے"! اہیہ کیو نے سر کو ایک طرف جھکا کر کہا۔

شاید وہسکر وانگ شریف آدمی نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے احتجاج کی پرواہ کئے بغیر اہیہ کیو کے سر کو لگاتار پانچ چھ مرتبہ دیوار سے ٹکرایا اور پھر اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ دو گز کی دُوری پر جا کر گرا۔ تب وہسکر وانگ اطمینان سے چلتا بنا۔

جہاں تک اہیہ کیو کا حافظہ کام کرتا تھا اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ ندامت اُٹھائی تھی۔ کیونکہ وہ وہسکر وانگ کی بدنمائی کے باعث اسے دیکھ کر ہمیشہ ناک بھوں چڑھایا کرتا تھا۔ اور اس نے اہیہ کیو کو دیکھ کر کبھی ناک بھوں نہیں چڑھائی تھی۔ پیٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اب وہسکر وانگ نے اسے خلافِ معمول پیٹا تھا۔ شاید چوک میں لوگ جو

باتیں کر رہے تھے سچ ہی تھیں ۔" بادشاہ نے افسری کا امتحان منسوخ کر دیا ہے کیونکہ جن امیدواروں نے امتحان پاس کیا ہے ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ۔" اسی وجہ سے چاؤ خاندان کا وقار کم ہو گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کے ساتھ پھر نفرت کا سلوک روا رکھ رہے ہیں ۔

اہیہ کیو مذبذب حالت میں وہاں کھڑا رہا ۔

دور سے ایک آدمی آرہا تھا وہ بھی اہیہ کیو کا پکا دشمن تھا ۔ اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہیں اہیہ کیو انتہائی نفرت سے دیکھتا تھا وہ مسٹر چن (Chun) کا بڑا لڑکا تھا ۔ پہلے وہ شہر چلا گیا تھا ۔ وہاں پر ایک بدیسی سکول میں تعلیم حاصل کی پھر کسی نہ کسی طرح وہ جاپان چلا گیا ڈیڑھ سال کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کی ٹانگیں سیدھی تھیں ۔ اور سر پر سے چوٹی غائب ہو گئی تھی ۔ گھر والوں کو اس تبدیلی سے بڑا صدمہ پہنچا ۔ اس کی ماں کم از کم ایک درجن مرتبہ روئی اور اس کی بیوی نے تین مرتبہ کنوئیں میں چھلانگ لگائی ۔ اب اس کی ماں ہر ایک سے کہتی تھی ۔" اس کی چوٹی کسی نے اس وقت کاٹ دی جب وہ شراب کے نشے میں دھت پڑا تھا ۔ ورنہ وہ افسر بن گیا ہوتا ۔ اب اس وقت تک انتظار کرنا پڑیگا جب تک کہ چوٹی دوبارہ اتنی ہی لمبی نہ ہو جائے ۔ مگر اہیہ کیو کو اس بات کا ذرا بھی یقین نہیں تھا ۔ وہ اسے " غیر ملکی شیطان کی نقل" کہنے پر مصر تھا ۔ اور اس کا خیال تھا کہ وہ " غیر ملکی جاسوس اور غدار" ہے ۔ وہ اسے دیکھتے ہی دبی زبان سے بے تحاشا گالیاں دینے لگتا تھا ۔

اہیہ کیو کو اس کی جس بات سے زیادہ نفرت تھی وہ اس کی نقلی چوٹی تھی۔ جو آدمی نقلی چوٹی رکھتا تھا۔ وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں تھا چونکہ اس کی بیوی نے چوتھی مرتبہ کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگائی اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔

یہ "غیر ملکی شیطان کی نقل" اس طرف آرہا تھا۔ "گنجا — گدھا" پہلے تو اہیہ کیو اُسے دیکھ کر زیر لب کہا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ چونکہ کبیدہ خاطر تھا اور اپنے دل کا غبار نکالنا چاہتا تھا اس کے منہ سے یہ الفاظ آپ ہی آپ زور سے نکل گئے۔

بدقسمتی سے اس "گنجے" کے ہاتھ میں اس وقت ایک چمکدار اور بھوری چھڑی تھی۔ جسے اہیہ کیو "ماتم کا نشان" کہتا تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے قریب آیا۔ اہیہ کیو نے بھانپ لیا کہ شامت آگئی۔ بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس نے اپنے جسم کو اکڑا لیا اور کمر جھکا دی۔

"چھپا چھپ" چھڑیاں پڑنے لگیں۔

"میں نے تو اسے کہا تھا" اہیہ کیو نے ایک بچے کی طرف اشارہ کیا جو سامنے کھیل رہا تھا۔

"چھپا چھپ، چھپا چھپ، چھپا چھپ"

جہاں تک اہیہ کیو کا حافظہ کام کرتا تھا اس نے زندگی میں دوسری مرتبہ یہ ندامت اٹھائی تھی۔ خوش قسمتی سے جب "چھپا چھپ" بند ہوئی تو اس نے سوچا کہ چلو بات ختم ہوئی۔ اور اس خیال سے اُسے ایک گونہ تسکین

حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ "بھول جانے کی صلاحیت" جو اسے بزرگوں سے وراثت میں ملی تھی ایسے موقعوں پر بے حد مفید ثابت ہوتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے چل پڑا۔ شراب خانے تک پہنچتے پہنچتے پٹنے کے دونوں واقعات وہ بالکل بھول چکا تھا۔ اب وہ خوش تھا اور مسکرا رہا تھا۔

عین اسی وقت سامنے سے ایک راہبہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ عام حالات میں بھی اہہ کیو اگر اسے دیکھ لیتا تو اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرتا۔ لیکن اس ندامت کے بعد کیا ہو؟ اسے سب باتیں پھر یاد آئیں۔ اور زخم تازہ ہو گئے۔

"میں حیران تھا کہ آج یہ شامت کیوں آئی۔ اب سمجھا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس منحوس راہبہ کو دیکھنا بدا تھا۔" وہ سوچنے لگا۔

اس نے قریب جاکر راہبہ پر تھوک دیا۔ اور کہا۔ "پھُو! پھُو!"

ننھی راہبہ نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ سر جھکائے آگے بڑھ گئی۔ اہہ کیو بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اور اس نے ہاتھ بڑھا کر راہبہ کے تازہ منڈے ہوئے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "گنجی۔ جلدی واپس جاؤ۔ تمہارا مہنت انتظار کر رہا ہے۔"

"تم مجھے کیوں چھیڑ رہے ہو؟" راہبہ نے لال پیلی ہو کر کہا۔ اور وہ تیز تیز چلنے لگی۔

شراب خانے میں جو لوگ موجود تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ اہہ کیو نے جب دیکھا کہ اس کے کرتب کی داد مل

رہی ہے تو وہ اور بھی شیر ہوگیا۔

"اگر مہنت تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا ہے۔ میں کیوں نہیں کر سکتا؟" اس نے راہبہ کے رخسار پر چٹکی لے کر کہا۔

شراب خانے میں پھر قہقہے بلند ہوئے۔ ایہہ کیو اور زیادہ خوش ہوا جو لوگ داد دے رہے تھے ان کی تفریح کے لئے اس نے راہبہ کے رخسار پر پھر زور سے چٹکی لی۔ اور تب کہیں اُسے جانے دیا۔

اس چھیڑ چھاڑ میں اس نے دہسکر وانگ اور "غیر ملکی شیطان کی نقل" کو بالکل بھلا دیا تھا۔ جیسے اس نے ساری مار اور بے عزتی کا انتقام لے لیا ہو۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُسے اپنا جسم اب اس قدر ہلکا پھلکا معلوم ہو رہا تھا کہ پٹنے کے بعد بھی نہیں ہوا تھا۔ یوُں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اُڑ رہا ہو۔

"ایہہ کیو تم بے اولاد مرو" ننھی راہبہ نے دُور سے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"ہاہا۔ ہاہا" ایہہ کیو نے نہایت اطمینان سے قہقہہ بلند کیا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا!" شراب خانے کے اندر سے بھی اسی طرح قہقہہ بلند ہوا۔

# رُومان کی ٹریجڈی

سُنتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی فتح میں کوئی خوشی محسوس نہیں کرتے۔ اگر ان کے مخالف شیر یا عقاب کی طرح تند اور خونخوار نہ ہوں اور اگر ان کے مخالف بھیڑ یا چوزے کی طرح ڈرپوک ہوں تو وہ فتح کو بالکل بے کار تصوّر کرتے ہیں۔ اور فاتحوں کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو دشمن کے آگے ہتھیار ڈال کر، گھٹنے ٹیک کر، سب کچھ ہار کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب ان کا کوئی دشمن، مخالف یا دوست نہیں رہ گیا۔ صرف وہی وہ ہیں۔ اونچے، اکیلے، تنہا اور مایوس۔ فتح انہیں بہت ہی ہولناک محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا ہیرو اس قدر پست ہمت نہیں تھا۔ وہ ہر حالت میں خوش رہتا تھا۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ چینی تہذیب روحانیت میں باقی تمام دُنیا سے افضل اور اعلیٰ ہے۔

ذرا ایہہ کیو کو دیکھئے۔ وہ کتنا خوش اور کتنا مسرور ہے۔ گویا ابھی ہوا میں اُڑ جائے گا۔

اس کی یہ فتح عجیب و غریب نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وہ کافی دیر تک ہوا میں اُڑتا رہا۔ اور اُڑتے اڑتے دیوتا کے پرانے مندر میں جا پہنچا۔ یہاں پہنچتے ہی وہ عموماً لیٹ جاتا تھا اور لیٹتے ہی خراٹے بھرنے لگتا تھا۔ لیکن اس دن خلافِ معمول اس کے لئے آنکھ جھپکانا بھی مشکل ہو گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے انگوٹھے اور منجھلی بڑی اُنگلی سے کوئی لطیف شے چپک گئی ہے۔ اسے غیر معمولی ملائمیت کا احساس ہو رہا تھا۔ معلوم نہیں ننھی راہیہ کے رخسار سے کوئی ملائم شے انگلیوں پر لگ گئی ہو۔ یا اس کی انگلیاں رخسار سے رگڑ کھا کر ہی ہموار اور ملائم ہو گئی ہیں۔

"ایہہ کیو تم بے اولاد مرو!"

یہ الفاظ ایہہ کیو کے کانوں میں گونج اُٹھے اور وہ سوچنے لگا۔ "بالکل صحیح، اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیوی ہو گی۔ کیونکہ اگر کوئی آدمی بے اولاد مرتا ہے جسے کوئی پانی دینے والا نہیں ہوتا...... میری بیوی تو ضرور ہونی چاہیئے۔" پرانی کہاوت بھی ہے ــــ "ناپاک روحوں کی تین قسمیں ہیں۔ جن میں ناپاک ترین وہ ہیں جن کے وارث نہیں ہوتے۔" ان کے لئے زندگی کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ "بے اولاد مرنے والوں کی روحیں ہمیشہ خلا میں بھٹکتی رہتی ہیں۔" وہ دھرم شاستروں اور رشیوں کے کہے

کو حرف بہ حرف صحیح مانتا تھا۔ چنانچہ موت کے بعد اس کی قسمت میں ہمیشہ بھٹکتے رہنا لکھا تھا اور اس کے پاس اس بات کا کوئی علاج نہیں تھا۔

"۔۔۔۔۔ لعنت چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں ۔۔۔۔۔ عورت، عورت، عورت"

وہ پھر سوچنے لگا۔

ہمیں معلوم نہیں اس رات ایہہ کیو کو کب نیند آئی۔ مگر اس کے بعد اسے اپنی انگلیاں ہمیشہ ملائم اور ہموار محسوس ہوتی رہیں۔ کیونکہ اس کے بعد وہ ہمیشہ خوش دکھائی دیا۔

"عورت ۔۔۔۔۔" وہ بدستور سوچتا رہا۔

اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عورت انسانیت کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے۔

چینی مردوں کی ایک بھاری اکثریت مہاتما اور رشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تلخ اور ناگوار حقیقت ہے کہ عورت نے انہیں تباہ کر دیا۔ شنگ (Shang) خاندان کو تاچی (Ta Chi) نے تباہ کیا۔ چو (Chou) خاندان پاؤ سؤ (Pao-Syo) کے باعث برباد ہوا۔ چنگ خاندان کی تباہی کے متعلق اگرچہ کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے تاہم اگر ہم تصور کریں کہ اس کے زوال کا باعث بھی کوئی عورت ہی تھی تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ تنگ چو کی موت تیاؤ چان (Tiao Chan) کے باعث ہوئی۔

ایہہ کیو بھی ایک پارسا اور باخلاق انسان تھا۔ اگرچہ ہم نہیں جانتے

کہ اُسے کسی اچھے گُرو کی رہنمائی حاصل تھی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ وہ عورت سے آگ کی طرح دُور بھاگتا تھا اور وہ ننھی راہبہ اور "غیر ملکی شیطان کی نقل" سے اسی لئے نفرت کرتا تھا۔ اور وہ انہیں منکر اور بے دین سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تمام راہباؤں کے مہنتوں سے ناجائز تعلقات ہوتے ہیں۔ جب کوئی عورت گلی میں اکیلی چلتی ہے تو اسے یقیناً کسی بدمعاش کی تلاش ہوتی ہے۔ جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں بات کرتے ہیں تو ان کا مقصد ملاقات کا وقت مقرر کرنا ہوتا ہے۔ انہیں درست کرنے کے لئے وہ ایسے لوگوں کی طرف ہمیشہ گھور کر دیکھتا تھا۔ یا اونچی آواز سے پھبتی کستا تھا یا اگر جگہ سنسان ہو تو وہ پیچھے سے پتھر پھینک دیتا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ تیس سال کی عمر میں جب کہ انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے وہ ایک ننھی راہبہ کو دیکھ کر ایسی فضول حرکت کرے گا۔ پرانے مستند اصولوں کے مطابق ایسی بات پر مسرور ہونے کا جذبہ بھی غلط ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عورت واقعی قابل نفرت ہے۔ اگر ننھی راہبہ کا چہرہ ملائم اور چکنا نہ ہوتا تو اہہ کیو پر اس کا جادو نہ چلتا اور اس واقعہ کی نوبت کبھی نہ آتی۔ اگر راہبہ برقعہ اوڑھ کر باہر آتی۔ پانچ اور چھ سال پہلے ایک ڈرامہ دیکھنے والوں کے درمیان بیٹھے ہوئے اس نے ایک عورت کی ران پر چٹکی لی تھی۔ تب اس کے جذبات اس قدر مشتعل نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اس کی چٹکی اور ران کے درمیان عورت کی شلوار کا

کپڑا حائل تھا۔ لیکن راہبہ نے اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپا ہوا نہیں تھا۔
دہریوں کے قابلِ نفرین ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے۔

"عورت ....." اہیہ کیو متواتر سوچتا رہا۔

وہ اب ان عورتوں کی طرف دھیان سے دیکھنے لگا۔ جو اس کے خیال میں بدمعاش آدمیوں کی تلاش میں رہتی تھیں۔ لیکن وہ اس کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ان عورتوں کی باتیں دھیان سے سنتا تھا جو اس سے گفتگو کرتی تھیں۔ لیکن اس بات چیت میں ملاقات کے متعلق اشارہ تک نہیں ہوتا تھا۔ عورتوں کے قابلِ نفرت ہونے کی یہ ایک اور مثال تھی۔ کیونکہ وہ خواہ مخواہ باعصمت بنتی تھیں۔

ایک دن جب اہیہ کیو مسٹر چاؤ کے گھر میں چاول کوٹ رہا تھا۔ وہ شام کے کھانے کے بعد کچن میں پائپ پینے بیٹھ گیا۔ اگر کسی اور شخص کا گھر ہوتا تو شام کے کھانے کے بعد وہ وہاں سے چلا آتا۔ لیکن چاؤ خاندان میں شام کا کھانا وقت سے کچھ پہلے ہی ہو جاتا تھا۔ اگرچہ دستور یہ تھا کہ ان کے گھر میں کوئی بھی چراغ نہ جلائے کھانے کے بعد چارپائی پر لیٹ جائے۔ لیکن بعض مرتبہ اس دستور میں استثنا بھی ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب تک مسٹر چاؤ کے لڑکے نے افسری کا امتحان نہیں دیا تھا اسے امتحان کی تیاری کے لئے چراغ جلانے کی اجازت تھی۔ دوسرے جب کبھی اہیہ کیو کو کچھ کام کرنے کے لئے بلایا جاتا تھا تو اسے چاول کوٹنے کے لئے چراغ جلانے کی اجازت دی جاتی تھی، اسی استثنا کے کارن اہیہ کیو کچن میں

بیٹھا پائپ پی رہا تھا تاکہ دوبارہ چاول کوٹنے کے لئے تازہ دم ہو جائے۔
اماہ وا (Amahwea) اس گھر میں اکیلی نوکرانی تھی۔ پیالیاں دھونے کے کام سے فارغ ہو کر وہ بنچ پر بیٹھ گئی۔ اور ایہہ کیو سے گپ شپ کرنے لگی۔
"ہماری مالکن نے دو روز سے کچھ نہیں کھایا۔ کیونکہ مالک ایک رکھیل لانا چاہتا ہے۔"

"عورت ..... اماہ وا ...... ایک جوان بیوہ" ایہہ کیو نے سوچا۔
"ہماری چھوٹی مالکن کے اگلے مہینے بچہ پیدا ہوگا۔"
"عورت ......" ایہہ کیو نے سوچا۔
اس نے پائپ ایک طرف رکھ دیا اور کھڑا ہو گیا۔
اماہ وا بدستور کہتی رہی۔ "ہماری چھوٹی مالکن ......"
"آج رات کو میرے ساتھ سوؤ۔" ایہہ کیو یکایک آگے بڑھا اور اس کے سامنے دوزانو ہو کر بولا۔
ایک لمحہ مکمل خاموشی رہی۔

"ہے، ہے" اماہ وا پہلے تو ہکا بکا رہ گئی پھر سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگی۔ پھر یکایک باہر نکل گئی۔ وہ چیخ رہی تھی اور چلا رہی تھی۔
ایہہ کیو دیوار کے سہارے جھک گیا۔ وہ بھی حیران تھا۔ اس نے خالی بنچ کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور اس کے سہارے آہستہ آہستہ اٹھا۔ اُسے اب کچھ کچھ اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ درحقیقت اب وہ بھی گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے اپنا پائپ جلدی سے پیٹی میں اڑس لیا۔ اور

سوچا کہ اب چاول کوٹنے جاؤں۔ لیکن تڑاخ سے اس کے سر پہ بھاری ضرب پڑی۔ گھوم کر دیکھا تو افسری کے امتحان میں کامیاب امیدوار اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا بانس تھا۔

"تم نے...... تم نے یہ جرأت کیسے کی......؟"

لمبا بانس تڑاخ سے اس کے شانے پر لگا۔ ایہہ کیو نے چوٹ سے بچانے کے لئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ چوٹ اس کے کندھے پر لگی اور وہ بلبلا اُٹھا۔ جب وہ کچن کے دروازے میں سے بھاگ کر باہر آ رہا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ ایک چوٹ کمر پہ بھی پڑی ہے۔

"حرامی پلّا!" کامیاب امیدوار نے پیچھے سے گالی دی۔

ایہہ کیو دوڑتے ہوئے چکّی پر پہنچا۔ وہاں وہ اکیلا کھڑا تھا اس کے شانے اب بھی درد کر رہے تھے۔ اور "حرامی پلّا" یاد تھا کیونکہ یہ ایک نئی گالی تھی۔ اَن پڑھ اور گنوار لوگوں نے اسے یہ گالی کبھی نہیں دی تھی۔ اس کا استعمال پڑھے لکھے اور افسر قسم کے لوگوں تک ہی مخصوص تھا۔ وہ بیحد ڈرا ہوا تھا۔ گالی نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔ مگر اب اس کے ذہن سے "عورت" کا خیال بھی کافور ہو چکا تھا۔ گالی اور مار کھا کر اس نے سوچا کہ...... یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا اور وہ اطمینان سے چاول کوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کوٹنے کے بعد اسے گرمی محسوس ہوئی اور وہ بنڈی اتارنے کے لئے رُک گیا۔

جب وہ بنڈی اتار رہا تھا اسے باہر شور سنائی دیا۔ چونکہ ایہہ کیو کو شور شرابا اور ہو ہلاّ پسند تھا وہ اس شور کی تلاش میں دوڑا ہوا باہر آیا۔

اسے یہ شور مسٹر چاؤ کے اندرونی صحن میں سُنائی دیا۔ اگرچہ شام کا جھٹپٹا تھا وہ بہت سے لوگوں کو وہاں دیکھ سکتا تھا۔ چاؤ خاندان کے سب افراد وہاں جمع تھے۔ ان میں وہ مالکن بھی تھی جس نے دو روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ان کے علاوہ ان کا پڑوسی تسوچی ساؤ اور ان کے رشتہ دار چاؤ پائی ین اور چاؤ سی چن بھی موجود تھے۔

نوجوان مالکن اماہ واکو ملازموں کے کوارٹروں سے باہر لا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"باہر آؤ ..... اپنے کمرے میں کیا بڑبڑا رہی ہو۔"

"ہر ایک شخص جانتا ہے کہ تم ایک نیک عورت ہو۔" تسوچی ساؤ نے کہا۔ "خودکشی کا ارادہ ترک کر دو۔"

اماہ وا چیخ رہی تھی جو کچھ وہ کہہ رہی تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

"عجیب بات ہے" اہہ کیو نے سوچا۔ "یہ ننھی بیوہ اب کیا کرنے والی ہے؟" وہ معلوم کرنے کی غرض سے چاؤ سو چن کے قریب گیا۔ اُسے سامنے سے مسٹر چاؤ کا بڑا لڑکا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا اور مضبوط بانس تھا۔ بانس دیکھ کر اسے یکایک یاد آیا کہ اسے اس بانس سے پیٹا گیا ہے۔ اور اس نے سمجھ لیا کہ اس واردات سے کسی نہ کسی طرح اس کی اپنی ذات وابستہ ہے۔ وہ اُلٹے پاؤں چکی کی طرف دوڑ پڑا۔ لیکن اسے یہ خیال نہیں آیا کہ لمبا بانس اس کا راستہ روک لے گا۔ چنانچہ وہ پھر گھوما اور ایک دوسری سمت کو دوڑا۔ اور

بلا تردد پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس نے دیوتا کے پرانے مندر میں پہنچ کر دم لیا۔

ایہہ کیو کافی دیر تک ساکت و سامت بیٹھا رہا۔ حتّٰی کہ اس کی کھال سکڑنے لگی اور اسے سردی محسوس ہوئی۔ اگرچہ یہ بہار کا موسم تھا تاہم رات کو اتنی سردی ہوتی تھی کہ اسے ننگے بدن برداشت کرنا مشکل تھا۔ ایہہ کیو کو اب یاد آیا کہ وہ اپنی بنڈی مسٹر چاؤ کی چکّی پر چھوڑ آیا ہے۔ لیکن لینے جائے تو کامیاب امیدوار کے لمبے بانس سے پھر پٹ جانے کا اندیشہ تھا۔

عین اس وقت گاؤں کا نمبردار اندر آیا۔

"ایہہ کیو۔ کتیا کے بچے" نمبردار نے کہا۔ "تو مسٹر چاؤ کی نوکرانی سے بھی چھیڑ خانی کرنے سے باز نہیں آیا۔ تو نہایت پاجی ہے۔ تو نے میری نیند حرام کی ہے۔ کتیا کے بچے! ....."

ایہہ کیو گالیوں کی یہ بوچھاڑ چپ چاپ سنتا رہا۔ اس کے لئے اور کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔ چونکہ یہ رات کا وقت تھا اس لئے اسے نمبردار کو دوگنا ہرجانہ دینا پڑا۔ جرمانے کی رقم چارسو قرار پائی۔ لیکن سرِ دست ایہہ کیو کے پاس ایک پائی بھی نہیں تھی۔ اس لئے اس نے اپنی فیلٹ ہیٹ گروی رکھ دی اور مندرجہ ذیل پانچ شرائط طے پائیں۔

۱۔ اپنے پاپ کا پرائشچت کرنے کے لئے وہ صبح سرخ رنگ کی دو موم بتیاں جن کا وزن آدھ پاؤنڈ ہو اور اگربتیوں کا ایک بنڈل مسٹر چاؤ کے

گھر دے کر آئے۔

۲۔ ایہہ کیو تاؤ دھرم کے پدمبت کو دکشنا دے جسے چاؤ خاندان نے رستے سے خودکشی کا کفارہ کرنے کے لئے بلایا تھا۔

۳۔ وہ پھر کبھی چاؤ خاندان کے گھر میں قدم نہ رکھے۔

۴۔ اگر اماہ واکو آئندہ کبھی کچھ ہوا تو ایہہ کیو کو اس کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

۵۔ ایہہ کیو اپنی بنڈی اور کام کی اُجرت مانگنے ہرگز نہ جائے۔

ایہہ کیو نے ہر ایک شرط چپ چاپ مان لی۔ صرف اس کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے بہار کا موسم تھا۔ اس لئے رضائی کے بغیر کام چل سکتا تھا۔ جسے اس نے پان شاپ میں دو ہزار نقدیں گروی رکھ دیا تھا۔ اور شرائط کا روپیہ ادا کر دیا تھا۔ اس کے پاس چند سکے بچ رہے تھے۔ نمبردار سے اپنی فیلٹ ہیٹ لینے جانے کے بجائے اس نے یہ سکے شراب نوشی میں صرف کر دئے۔

مگر چاؤ خاندان نے نہ دھوپ جلائی اور نہ موم بتیاں روشن کیں کیونکہ ان چیزوں کا استعمال اس وقت ہوتا تھا جب گھر کی مالکن بدھ کی پوجا کرتی تھی۔ چنانچہ انھیں اس مطلب کے لئے اُٹھا رکھا۔ بوسیدہ بنڈی کا بیشتر حصہ مالکن کے نوزائیدہ بچے کے پوتڑے بنانے کے کام آیا۔ اور جو بچ رہا اس کے اماہ وا نے جوتوں کے تلوے بنائے۔

# روزگار کا مسئلہ

ایہہ کیتو ہرجا نہ ادا کرکے حسبِ معمول پُرانے دیوتا کے مندر میں واپس آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اُسے رفتہ رفتہ محسوس ہونے لگا کہ دُنیا کچھ عجیب و غریب ہے۔ جب اس نے اس مسئلہ پر خاص توجہ سے غور کیا تو اس کا سبب یہ معلوم ہوا کہ اس کی کمر ننگی ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اس کے پاس ایک پُرانا گاؤن ہے۔ وہ اُسے اوڑھ کر لیٹ گیا۔ اور جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ سورج مغربی دیوار پر چمک رہا ہے۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بڑبڑانے لگا۔ "کتیا کا بچّہ......"

اس کے بعد وہ حسبِ معمول گلیوں میں گھومنے باہر نکل گیا۔ اور گھومتے ہوئے اُسے پھر محسوس ہوا کہ دُنیا کچھ عجیب و غریب ہے۔ لیکن اس بات کا ننگی کمر کے درد سے ذرا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس دن

کے بعد ویچنگ کی تمام عورتیں اس سے شرمانے لگی تھیں۔ جہاں تک کہ
اٰیہہ کیو کو آتے دیکھ کر اپنے گھروں میں گھس جاتی تھیں۔ اور دروازہ بند
کرلیتی تھیں۔ یہاں تک کہ تسوچی ساؤ جس کی عمر لگ بھگ پچاس سال
تھی دوسری عورتوں کے ساتھ گھبرا کر اندر چلی جاتی تھی اور اپنی گیارہ سالہ
لڑکی کو بھی اندر آنے کو کہتی تھی۔ اٰیہہ کیو کو یہ بات بہت ہی عجیب و غریب
معلوم ہوئی اور اس نے سوچا ـــــ "یہ بوڑھی چڑیلیں بھی ایسا شرماتی
ہیں جیسے نئی نویلی دلہنیں ہوں کتیا لہا کہیں کی! ...."
مگر وہ بہت دنوں تک محسوس کرتا رہا کہ دنیا کچھ عجیب و غریب ہے
اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شراب خانے کے مالک نے اسے ادھار دینا
بند کردیا تھا۔ دوسرے دیوتا کے پرانے مندر کے بوڑھے پجاری نے
کچھ نازیبا بات کہی تھی۔ جیسے وہ اٰیہہ کیو کو وہاں سے نکال دینا چاہتا ہو
تیسرے بہت دنوں تک، اگرچہ اسے یاد نہیں کہ کتنے دنوں تک، مگر بہت
دنوں تک اسے ایک بھی شخص نے کام کے لئے نہیں بلایا۔ شراب خانے
سے ادھار نہیں ملتا تھا۔ نہ ملے کچھ مذائقہ نہیں۔ بوڑھا پجاری جانے کو
کہتا ہے کہتا رہے۔ وہ اسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ لیکن جب کوئی بھی شخص
اسے کام نہیں دیتا تھا تو اسے فاقے کرنے پڑتے تھے۔ اور یہ واقعی
"کتیا کے بچے" ایسی بات تھی۔

جب اٰیہہ کیو کے لئے فاقے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ وہ ہمیشہ کام
کروانے والوں کے گھروں پہ گیا تاکہ دریافت کرے کہ معاملہ کیا ہے اسے

صرف مسٹر چاؤ کے گھر جانے کی ممانعت تھی۔ مگر اسے یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوئی کہ وہ جب کسی گھر پر جاتا تھا۔ ہمیشہ ایک آدمی باہر آتا تھا۔ اور خشمگیں نگاہیں اس پر ڈال کر گھونسا دکھاتا تھا۔ جیسے وہ کسی بھکاری کو در سے بھاگ جانے کے لئے کہہ رہا ہو۔

"جاؤ، جاؤ۔ یہاں کچھ نہیں ہے!"

اے کیو کو یہ بات اور بھی عجیب معلوم ہوئی۔ اس نے سوچا۔ "یہ لوگ دوسرے کی خدمات کے بغیر گذارا نہیں کر سکتے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے ہاں بالکل ہی کام نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے"۔ پوچھ تاچھ کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ جب کبھی کوئی کام ہوتا ہے تو وہ اس کے لئے ننھے ڈان کو بلاتے ہیں۔ اب یہ ننھا ڈان نہایت ہی مفلس، کمزور اور پتلا دبلا آدمی تھا۔ اے کیو کے نزدیک وہ وہسکر وانگ سے بھی زیادہ حقیر تھا۔ کیا کوئی شخص یہ تصور بھی کر سکتا تھا کہ یہ حقیر آدمی اس کی روزی پر چھاپہ مار سکتا ہے؟ بس اے کیو کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ جھاگ اُگلتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے یکایک گھونسا ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں لوہے کی سلاخ سے پیٹوں گا۔ تمھارا کچومر نکال دوں گا۔۔۔۔۔"

چند روز بعد مسٹر چین کے گھر کے باہر اس کی بیچ بیچ ننھے ڈون سے ملاقات ہوگئی۔ "جب دو دشمن ملتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آگ برستی ہے" اے کیو اس کے قریب گیا۔ اور ننھا ڈون بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

"گونگے وحشی!" اے کیو نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے

اور جھاگ اُگلتے ہوئے کہا۔

"میں کیڑا کوڑا ہوں۔ کیا اس سے تمھاری تسلی ہوئی؟....."
ننھے ڈوتن نے دریافت کیا۔

اس عجز نے جلتے پر تیل کا کام کیا۔ لیکن چونکہ ایہہ کیو کے پاس لوہے کی چھڑی نہیں تھی۔ اس نے ننھے ڈوتن کی چوٹی پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ ننھا ڈوتن ایک ہاتھ سے اپنی چوٹی کی حفاظت اور دوسرے سے ایہہ کیو کی چوٹی پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اب ایہہ کیو کو بھی ایک آزاد ہاتھ سے اپنی چوٹی کی حفاظت کرنے کی فکر ہوئی۔ کچھ عرصے پہلے ایہہ کیو ننھے ڈوتن کی ذرا بھی اہمیت نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اب وہ بھی متواتر فاقوں سے اتنا ہی کمزور اور دُبلا پتلا ہو گیا تھا۔ جتنا کہ اس کا حریف۔ لہٰذا ان میں اب برابر کا مقابلہ تھا۔ چار ہاتھ دوسروں سے اُلجھے ہوئے تھے۔ ان کی کمریں جھکی ہوئی تھیں۔ اور ان کے دُھنک نما نیلے سائے نصف گھنٹے تک چین کنبہ کی دیوار پر متواتر پڑتے رہے۔

"شاباش! شاباش!!" تماشائی کہہ رہے تھے شاید ان کا مقصد جھگڑے کو ختم کروانا تھا۔

"اچھے، اچھے، بہت اچھے۔" دوسرے کہہ رہے تھے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے تھے یا لڑنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ اور انہیں اشتعال دلا رہے تھے۔

لیکن دونوں لڑنے والے کسی کی بات نہیں سُن رہے تھے ایہہ کیو

تین قدم آگے بڑھ جاتا تو ننھا ڈوؔن تین قدم پیچھے ہٹ جاتا۔ اور تب وہ کھڑے ہوجاتے۔ اگر ننھا ڈوؔن تین قدم آگے بڑھتا تو ایہہ کیوؔ تین قدم پیچھے ہٹ جاتا۔ اور پھر وہ ساکت وسامت کھڑے ہوجاتے۔ لگ بھگ آدھ گھنٹے کے بعد۔ ٹھیک وقت بتانا اس لئے مشکل ہے کہ ویچنگ میں گھنٹے گھڑیاں نہیں کے برابر تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ صرف بیس منٹ ہوئے ہوں۔ جب دونوں کے سروں سے بخارات نکلنے لگے۔ اور ان کے رخساروں سے پسینہ بہنے لگا۔ ایہہ کیوؔ نے ننھے ڈوؔن کو چھوڑ دیا۔ انھوں نے بیک وقت اپنی کمریں سیدھی کیں۔ بیک وقت پیچھے ہٹے۔ اور راستہ چیرتے ہوئے ہجوم میں سے نکل گئے۔

"میں تمھاری پھر خبر لوں گا۔ کتیا کے بچے!" ایہہ کیوؔ نے پیچھے مڑ کر کہا۔

"تم کتیا کے بچے! میں بھی تمھاری پھر خبر لوں گا۔" ننھے ڈوؔن نے بھی پیچھے مڑ کر کہا۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

یہ تاریخی لڑائی نہ تو فتح میں ختم ہوئی اور نہ شکست میں۔ یہ بھی کچھ معلوم نہیں کہ تماشائیوں کی اس سے تسلّی ہوئی کہ نہیں۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد بھی کسی نے ایہہ کیوؔ کو کام پر نہیں بلایا۔

ایک بہت ہی گرم دن، جب ہلکی ہلکی لُو، موسم گرما کی آمد کی خبر دے رہی تھی۔ ایہہ کیوؔ کو سردی محسوس ہوئی۔ لیکن وہ اسے برداشت کرسکتا تھا۔ لیکن اس کی سب سے بڑی مصیبت خالی معدہ تھا۔ اس کی روئی کی رضائی

فیلٹ ہیٹ اور بنڈی پہلے ہی غائب ہو چکے تھے اس کے بعد اس نے اپنی جیکٹ بھی بیچ دی تھی۔ اب اس کے بدن پر صرف تپلون تھی۔ اور وہ اسے اتار نہیں سکتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے پاس ایک بہت پرانی چیتھڑہ نما جیکٹ بھی تھی وہ جوتوں کے تلوے بنانے کے کام آ سکتی تھی۔ مگر اس کی کوئی قیمت نہیں اُٹھ سکتی تھی۔ وہ ایک مدت تک یہ خواب دیکھتا رہا کہ کسی نہ کسی وقت اسے ایک معقول رقم سڑک پر پڑی مل جائے گی لیکن ابھی تک اس خواب کی تعبیر نہیں ہوئی تھی۔ پھر اُسے یہ بھی اُمید تھی کہ اُسے یکایک اپنے بوسیدہ کمرے میں ایک رقم ملے گی۔ اس نے بڑی تندہی سے اِدھر اُدھر کھوج کی۔ لیکن کمرہ خالی، خالی بالکل خالی تھا۔ تب اس نے سوچا کہ باہر چل کر کچھ خوراک ہی تلاش کرے۔

جب وہ "خوراک کی تلاش میں" سڑک پر چل رہا تھا اسے جانا بوجھا شراب خانہ اور جانی بوجھی بیکری دکھائی دی۔ نہ صرف یہ کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی وہاں رُکا نہیں بلکہ رُکنے کی خواہش بھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ان کی تلاش میں نہیں تھا۔ اگرچہ ٹھیک ٹھیک وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اُسے کس چیز کی تلاش ہے۔

ویچنگ کوئی بڑا قصبہ نہیں وہ جلد ہی اس سے باہر نکل گیا۔ گاؤں کے باہر دھان کے کھیت تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی ہریالی ہی ہریالی دکھائی دیتی تھی۔ چاول کے ننھے ننھے پودے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ان میں کہیں کہیں سبزی مائل سیاہ خوشے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اہیہ کیو کی

نظروں کو کھیتوں کی خوشنمائی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ اپنی راہ چلتا رہا۔ کیونکہ وہ جبلّت سے جانتا تھا کہ ان چیزوں کا اس کی "خوراک کی تلاش" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آخر کار راہباؤں کی رہائش "شانتی آشرم" کے قریب آکر رُک گیا۔

شانتی آشرم کے چاروں طرف بھی دھان کے کھیت تھے۔ دیواروں کی سفیدی اس سبزے کے درمیان کھِل اُٹھی تھی۔ مٹی کی نیچی دیوار کے دوسری طرف سبزیوں کا باغ تھا۔ ایہہ کیو ایک لمحہ کے لئے ہچکچایا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی بھی شخص اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ ایک انگور کی بیل کے ڈنٹھل کو پکڑ کر وہ نیچی دیوار پر چڑھ گیا۔ مٹی کی دیوار کا لوندا اُکھڑ گیا۔ اور ایہہ کیو کا پاؤں لڑکھڑایا۔ لیکن وہ شہتوت کی ایک شاخ پکڑ کر دیوار پھاندنے میں کامیاب ہوگیا۔ باغ میں سبزیوں کی بہتات تھی لیکن زردشراب، ڈبل روٹی یا کھانے کی کوئی اور شے وہاں دکھائی نہ دیتی تھی۔ مغربی دیوار کے ساتھ بانسوں کا جھنڈ تھا۔ جن کی جڑوں میں بہت سے شگوفے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ پکے ہوئے نہیں تھے۔ چھوٹی گوبھی بہت سخت تھی۔ گاجر اور مولیاں بھی پک چکی تھیں۔ اور ان پر پھُول نکل آئے تھے۔

ایہہ کیو کو اتنا ہی غم ہوا جتنا ایک طالب علم کو امتحان میں فیل ہوکر ہوتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ باغ کے دروازے کی طرف جارہا تھا۔ لیکن وہ یک بیک خوشی سے چونک اُٹھا۔ اس کے سامنے شلغموں کی ایک کیاری تھی دو زانو ہوکر وہ انہیں توڑنے لگا۔ اچانک دروازے کے پیچھے سے ایک

گول سر نمودار ہوا جو پھر غائب ہوگیا۔ یہ وہی ننھی راہبہ تھی۔ ایہہ کیو ننھی راہباؤں کو ہمیشہ حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ مگر انسان پر ایسا بھی وقت آتا ہے جب "مصلحت پسندی ہی سب سے بڑی شجاعت ہوتی ہے۔" چنانچہ اس نے جلدی جلدی چار شلغم اکھاڑے۔ پتے توڑ کر پھینک دیے اور انہیں اپنی واسکٹ کی بغلوں میں چھپا لیا۔ اس وقت تک ایک بوڑھی راہبہ باہر آچکی تھی۔

"بدھ ہماری حفاظت کرے۔ ایہہ کیو! تم کیوں اندر آئے؟ تم نے شلغم کیوں چوری کئے؟ یہ نہایت بُری بات ہے۔ اَے پیارے بدھ ہماری حفاظت کرے......"

"میں تمہارے باغ میں کب آیا ہوں اور میں نے کب شلغم چرائے ہیں؟" ایہہ کیو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔

"اب — وہ کیا ہے؟" بوڑھی راہبہ نے واسکٹ میں چھپائے ہوئے شلغموں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا یہ تمہارے ہیں؟ کیا تم ان سے کہلا سکتی ہو؟ تم......"

اپنا فقرہ پورا کئے بنا ہی ایہہ کیو سرپٹ دوڑا۔ ایک بہت موٹا کالا کتا اس کا تعقب کر رہا تھا۔ یہ کتا دراصل آشرم کے دروازے پر رہا کرتا تھا۔ پچھواڑے کے باغ میں نہ جانے کیسے پہنچ گیا۔ کالا کتا غراتے ہوئے اس کا تعقب کر رہا تھا۔ وہ ایہہ کیو کو کاٹنے ہی والا تھا کہ اتفاق سے واسکٹ میں چھپا ہوا ایک شلغم ٹھیک اسی وقت زمین پر گر پڑا۔ کتا

بھونچکا سا ہو کر ایک سیکنڈ کے لئے وہیں ٹھہر گیا۔ اس بیچ میں ایہہ کیو شہتوت پر چڑھ گیا۔ اور دیوار پھاند کر شلغموں سمیت باہر کی طرف کود پڑا۔ کالا کتا شہتوت کے قریب کھڑا بھونکتا رہا اور بوڑھی راہبہ پرارتھنا کرتی رہی۔
ایہہ کیو ڈر رہا تھا کہ بوڑھی راہبہ کہیں کتے کو پھر باہر نہ چھوڑ دے۔ اس نے جھٹ پٹ شلغم اکٹھے کئے اور دوڑ پڑا۔ سڑک پہ پہنچ کر اس نے کچھ روڑے اُٹھا لئے۔ لیکن کالا کتا باہر نہیں آیا۔ ایہہ کیو نے روڑے پھینک دئے۔ وہ چلتے چلتے شلغم کھانے لگا۔ اور سوچنے لگا۔ گاؤں میں اب دال نہیں گلے گی۔ بہتر یہ ہے کہ میں شہر چلا جاؤں"۔
جب اس نے تیسرا شلغم ختم کیا۔ وہ شہر جانے کا ارادہ بھی پختہ کر چکا تھا۔

# واپسی

جب ایہہ کیو دوبارہ ویچنگ میں آیا تو چاند کا تہوار گذر چکا تھا اس کی واپسی کی بات سن کر سب لوگ حیران تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ اتنے دنوں کہاں رہا۔ وہ پہلے بھی کئی مرتبہ شہر جا چکا تھا۔ لیکن جانے سے پہلے لوگوں کو بتا دیا کرتا تھا۔ مگر اس مرتبہ وہ چپ چاپ چلا گیا کسی سے کچھ نہیں کہا اور کسی نے اسے جاتے بھی نہیں دیکھا۔ گاؤں میں اس بات کی چرچا بھی نہیں ہوئی۔ دستور کے مطابق چرچا تو اس وقت ہوتی تھی جب مسٹر چاؤ، مسٹر چیئن یا ان کے کامیاب بیٹے شہر جاتے تھے۔ "غیر ملکی شیطان کی نقل" کے باہر جانے کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ پھر ایہہ کیو کی تو ہستی ہی کیا تھی۔ شاید اس نے مندر کے بوڑھے پجاری کو بتایا ہو۔ لیکن اس نے کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت

محسوس نہیں کی۔ یہی وجہ تھی کہ ویچنگ کے لوگوں کو اس سلسلہ میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔

لیکن اس مرتبہ اے کیو کی واپسی پہلے سے بالکل مختلف تھی اور وہ واقعی کچھ حیران کن بھی تھی۔ دن چھپ رہا تھا جب وہ آنکھیں جھپکتا ہوا شراب خانے کے سامنے نمودار ہوا۔ وہ سیدھا کاونٹر پر گیا۔ اپنی جیب سے چاندی اور تانبے کے مٹھی بھر سکے نکالے اور انہیں کاونٹر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "نقد۔ مجھے شراب دیجئے۔" وہ ایک نئی اور عمدہ واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔ یقیناً اس کی پیٹی سے بھاری تھیلی بندھی ہوئی تھی۔ اس تھیلی کے باعث پیٹی ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ ویچنگ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی آدمی کے متعلق کوئی غیر معمولی بات معلوم ہو تو گستاخی سے پیش آنے کے بجائے لوگ اس کے ساتھ عزت سے پیش آتے تھے۔ اگرچہ لوگ خوب جانتے تھے کہ وہ جانا پہچانا اے کیو ہے۔ لیکن یہ اے کیو پھٹے پرانے کوٹ والے اے کیو سے مختلف تھا۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ اگر کسی دانشور کو تین روز بعد ملا جائے تو اس میں قابلِ تعریف ایک نئی بات ضرور مل جاتی ہے۔" بیرے دوکاندار، گاہک اور راہگیر سب اسے حیرت آمیز احترام سے دیکھ رہے تھے۔ دوکاندار پہلا آدمی تھا جس نے سر ہلا کر کہا:۔

"ہیلو، اے کیو۔ تم پھر آ گئے ہو؟"

"ہاں، میں آ گیا ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ خوب کمایا ہے۔ تم... کہاں.....؟"

"میں شہر گیا تھا"

دوسرے دن یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ ہر ایک آدمی اہہ کیو کی واپسی، نئی عمدہ واسکٹ اور اس کی نقدی کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہے اس لئے شراب خانے میں، چائے کی دوکان میں اور یہاں تک کہ مندر میں بھی لوگ اسی سلسلہ میں باتیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہہ کیو کے متعلق ان کے دلوں میں ایک نئے خوف نے جنم لیا۔

اہہ کیو کے اپنے کہنے کے مطابق وہ کامیاب صوبائی امیدوار کے گھر میں ملازم تھا۔ کہانی کا یہ حصہ سن کر ہر ایک کے دل پر رعب چھا جاتا تھا۔ اس کامیاب صوبائی امیدوار کا نام پائی تھا۔ کیونکہ سارے قصبے میں کامیاب صوبائی امیدوار وہ ایک ہی تھا۔ اس لئے اس کا خاندانی نام استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ چنانچہ جب کوئی کامیاب صوبائی امیدوار کی بات کہتا تھا تو وہ اُسی سے متعلق ہوتی تھی۔ صرف ویچنگ میں ہی نہیں تیس میل کے محیط میں یہی کیفیت تھی جیسے اس کا نام ہی مسٹر کامیاب صوبائی امیدوار ہو۔ ایسے شخص کے گھر میں ملازم ہونا واقعی باعثِ عزت تھا۔ لیکن اہہ کیو کے اپنے بیان کے مطابق اُسے وہاں کام کرتے رہنا پسند نہیں تھا کیونکہ یہ کامیاب امیدوار پکا حرامی اور "کتیا کا بچہ" تھا۔ کہانی کا یہ حصہ سن کر سب لوگ سرد آہ بھرتے تھے۔ اور ساتھ ہی خوش بھی ہوتے تھے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ اہہ کیو کامیاب صوبائی امیدوار کے گھر میں کام کرنے کے اہل نہیں تھا۔ اس کی یہ حالت قابلِ رحم تھی۔

ایہہ کیو کے اپنے بیان کے مطابق اس کی واپسی کا سبب یہ تھا کہ وہ شہر کے لوگوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ وہ لمبے بنچ کو تخت کہتے تھے۔ اور ان کا مچھلی تلنے کا طریقہ عجیب تھا۔ اس کے علاوہ حال ہی میں اسے یہ نقص بھی معلوم ہوا تھا کہ شہر کی عورتیں چلتے وقت کافی جھولتی نہیں تھیں۔ مگر شہر والوں کی کچھ اچھی باتیں بھی تھیں جنھیں وہ پسند کرتا تھا۔ مثال کے طور پر ویچینگ کے لوگ ہتیس بانسیوں سے کھیلتے تھے۔ صرف "بغیر مکی شیدان کی نقل" ماہ جونگ کھیلنا جانتا تھا۔ لیکن شہر کے آوارہ لڑکے تک اس کھیل سے بخوبی واقف تھے۔ کہانی کا یہ حصہ سن کر لوگ مرعوب ہو جاتے تھے۔

"کیا تم نے کسی کو پھانسی چڑھتے دیکھا ہے؟" ایہہ کیو پوچھتا۔ "اوہ! کتنا عجیب منظر ہے۔ جب وہ انقلابیوں کو پھانسی دیتے تھے۔۔۔۔ یہ عجیب منظر ہے، بہت ہی عجیب۔۔۔۔۔۔" اس نے اپنا سر ہلایا اور اس کا تھوک سامنے بیٹھے ہوئے چاؤسوچن کے چہرے پر جا پڑا۔ جن لوگوں نے کہانی کا یہ حصہ سُنا وہ لرزنے لگے۔ لیکن ایہہ کیو نے اِدھر اُدھر دیکھ کر یکایک اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسے وہسکر وانگ کی ناک پر ٹیک دیا جو سر آگے کو نکالے اس کی بات سُن رہا تھا۔ اور پھر کہا۔ "مارو!

وہسکر وانگ چونک اُٹھا اور اس نے بجلی کی تیزی سے اپنا سر پیچھے کو کھینچ لیا۔ اور جو لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے، کسی مسرت آمیز خوف سے کانپ اُٹھے۔ اس کے بعد وہسکر وانگ کئی روز تک حواس باختہ سا رہا اور وہ ایہہ کیو کے نزدیک جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور دوسرے لوگوں

کی بھی یہی کیفیت تھی۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت ویچنگ کے باشندوں کی نظروں میں ایہہ کیو کا وقار مسٹر چاؤ سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا لیکن کم ازکم اس کے برابر کہیں تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے۔

بہت جلد ایہہ کیو کی شہرت ویچنگ کی عورتوں میں بھی پھیل گئی۔ اگرچہ ویچنگ میں چن اور چاؤ صرف دو گھرانے ہی خوشحال تھے۔ باقی تو نوّے فیصدی آبادی غریب تھی۔ تاہم زنان خانے، زنان خانے ہی تھے۔ ان میں ایہہ کیو کی شہرت کا پھیل جانا معجزے سے کم نہیں تھا۔ جب عورتیں آپس میں ملتی تھیں تو ایک دوسری سے کہتی تھیں۔ "تسو چی سو نے ایہہ کیو سے نیلی سلک کا ایک لہنگا خریدا ہے گو پُرانا ہے لیکن اس پر صرف نوّے سینٹ خرچ ہوئے ہیں۔ اور چاؤ پائی ین کی ماں (اس بات کی ابھی تصدیق کرنا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ چاؤ سو چن کی ماں تھی) نے بھی اپنے بچے کے لئے بادامی رنگ کی بدیسی چھینٹ خریدی ہے۔ اس پر صرف تین سو چھدام خرچ آئے ہیں اور اس پر آٹھ فیصدی کمیشن مل گیا ہے۔"

اب تمام عورتیں ایہہ کیو سے ملنا چاہتی تھیں جن کے پاس سلک کے لہنگے نہیں تھے۔ وہ انہیں ایہہ کیو سے خریدنا چاہتی تھیں اور جنھیں یہ بدیسی چھینٹ درکار تھی وہ بھی اسی سے خریدنے کی اُمید رکھتی تھیں۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ انھوں نے اب ایہہ کیو سے کترانا چھوڑ دیا تھا بلکہ جب

وہ آگے نکل جاتا تھا وہ پیچھے دوڑتی تھیں۔ آواز دے کر ٹھہرا لیتی تھیں
پھر یہ پوچھتی تھیں :۔
"ایہہ کیو تمہارے پاس سلک کے لہنگے اور بھی ہیں ؟ ہمیں بدیسی
چھینٹ بھی درکار ہے۔ تمہارے پاس ہوگی ؟"

بعد ازاں یہ خبر غریب گھروں سے امیر گھرانوں میں پھیل گئی۔ کیونکہ
تسوچی ساؤ کو اپنا لہنگا اتنا پسند تھا کہ وہ اپنی پسند کی تصدیق کرانے
اسے شریمتی چاؤ کے پاس لے گئی۔ اور شریمتی چاؤ نے مسٹر چاؤ کے پاس
اس کی جی بھر کر تعریف کی۔

شام کے کھانے پر مسٹر چاؤ نے اس بات کا تذکرہ اپنے بیٹے
کامیاب امیدوار سے کیا اور کہا کہ ایہہ کیو واقعی پراسرار آدمی ہے اور
انہیں اپنی کھڑکیوں اور دروازوں کو زیادہ احتیاط سے بند کرنا چاہیئے
لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ ایہہ کیو کے پاس کوئی چیز باقی ہے یا نہیں۔
ممکن ہے اس کے پاس کوئی اچھی چیز ابھی باقی ہو۔ دراصل شریمتی
چاؤ کو ایک عمدہ اور سستی فرد درکار تھی۔ چنانچہ خاندانی صلاح مشورہ
کے بعد طے پایا کہ تسوچی ساؤ کو ایہہ کیو کے پاس بھیجا جاوے تاکہ وہ
اُسے فوراً بلا کر لائے اور اس مطلب کے لئے گھر کے دستور میں تیسری
استثنا ہوئی کہ اس شام لیمپ جلانے کی اجازت دیدی گئی۔

لیمپ میں کافی تیل جل چکا تھا۔ لیکن ایہہ کیو ابھی تک نہیں آیا
تھا۔ چاؤ خاندان کے افراد بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ انہیں ایہہ کیو کی

آوارگی پر غصہ آ رہا تھا۔ اور کچھ تسوچی ساؤ پر ناراض تھے۔ کیونکہ اس نے ایہہ کیو کو ڈھونڈنے کے لئے کوشش ہی نہیں کی ہوگی۔ شریمتی ساؤ ڈر رہی تھی کہ ایہہ کیو کو ان شرائط کے باعث جو گذشتہ بہار میں طے پائی تھیں ان کے گھر آنے کا حوصلہ ہی نہیں پڑے گا۔ لیکن مسٹر چاؤ کو اس طرح کا کوئی خدشہ نہیں تھا کیونکہ وہ کہتا تھا۔ "اس مرتبہ تو میں نے اُسے خود بلایا ہے" اور مسٹر چاؤ اپنی معاملہ فہمی کا قائل ہو گیا جب تسوچی ساؤ کے ساتھ ایہہ کیو سچ مچ آ پہنچا۔

"یہ کہہ رہا تھا کہ میرے پاس اب کوئی چیز نہیں ہے اور جب میں نے کہا کہ چلو تم خود جا کر بتا دو تب بھی یہ باتیں بناتا رہا۔ میں نے کہا" تسوچی ساؤ اندر آتے ہی ہانپتے ہوئے کہنے لگی۔

"حضور!" ایہہ کیو ڈیوڑھی ہی میں ٹھہر گیا اور اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ایہہ کیو۔ میں نے سُنا ہے کہ تم بڑے امیر ہو کر آئے ہو۔" مسٹر چاؤ نے اس کے قریب جا کر اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ اچھا...... میں نے سُنا ہے کہ تمھارے پاس کچھ پرانی چیزیں ہیں...... ہمیں دکھانے کے لئے انہیں یہاں لے آؤ...... ان میں سے میں بھی کچھ خریدنا چاہتا ہوں......"

"میں نے تسوچی ساؤ کو بتا دیا تھا کہ میرے پاس اب کوئی چیز نہیں ہے"۔

"کچھ بھی نہیں ہے؟" مسٹر چاؤ نے نہایت مایوس کن لہجے میں دہرایا۔

"اتنی جلدی کیونکر ختم ہو سکتی ہیں؟"

"وہ ایک دوست کی تھیں اور تعداد میں کچھ زیادہ بھی نہیں تھیں لوگ خرید کرلے گئے......"

"کچھ نہ کچھ تو ضرور رہوں گی؟"

"اب تو صرف دروازے کا ایک پردہ رہ گیا ہے۔"

"وہ پردہ ہی ہمیں دکھانے کے لئے لے آؤ۔" شریمتی چاؤ نے کہا۔

"اچھا، مناسب یہی ہے کہ اُسے تم کل لاؤ۔" مسٹر چاؤ نے سرد مہری کا اظہار کیا۔ "آئندہ جب کبھی تمھارے پاس کوئی چیز ہو تو اہیہ کیو سب سے پہلے ہمیں لاکر دکھانا....."

"ہم دوسرے لوگوں سے تمھیں کم دام ہرگز نہیں دیں گے۔" کامیاب امیدوار نے کہا۔ اور اس کی بیوی اہیہ کیو کے چہرے پر ان الفاظ کا ردِّعمل دیکھنے لگی۔

"مجھے ایک فردر کار ہے۔" شریمتی چاؤ نے کہا۔

اگرچہ اہیہ کیو نے رضامندی کا اظہار کیا تاہم وہ اتنی بے اعتنائی سے باہر نکلا کہ انھیں ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ وہ اپنے وعدے کا پابند بھی رہے گا یا نہیں۔ اس بات سے مسٹر چاؤ اس قدر مایوس، متفکر اور کبیدہ خاطر ہو گئے کہ انھوں نے اُبکائی لینا بھی بند کر دیا۔ اہیہ کیو کے رویہ سے کامیاب امیدوار بھی مطمئن نہیں تھا۔ بولا:۔ "لوگوں کو ایسے حرامی سے محتاط رہنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ نمبردار کو بلا کر حکم دیا جائے

کہ وہ اسے ویچنگ میں رہنے کی اجازت نہ دے۔"

لیکن مسٹر چاؤ اس تجویز سے متفق نہیں ہوا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اس کے چڑھ جانے کا امکان ہے۔ اب تو یہ ہو سکتا ہے۔ "عقاب اس چیز کا شکار نہیں کرتا جو اس کے اپنے گھونسلے میں ہو۔" اس کے اپنے گاؤں کو ڈرنا نہیں چاہیئے۔ صرف رات کو ذرا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

کامیاب امید وار باپ کی اس دُور اندیشی سے بے حد متاثر ہوا۔ اور اس نے ایہہ کیو کو گاؤں سے بھگا دینے کی تجویز فوراً واپس لے لی۔ اور اس نے تسوچی ساؤ کو ہدایت کر دی کہ اس نے جو کہا ہے وہ بھول کر بھی لوگوں سے اس کا ذکر نہ کرے۔

مگر دوسرے دن تسوچی ساؤ اپنا نیلا لہنگا کالا رنگوانے کے لئے لے گئی اور اس نے ایہہ کیو کی بابت تمام شبہات کہہ ڈالے۔ اگرچہ کامیاب امید وار نے جو اسے گاؤں سے بھگا دینے کی بات کہی تھی وہ اس نے کسی سے نہیں کہی۔ لیکن ایہہ کیو کے لئے یہی کچھ کم تباہ کن نہیں تھا۔ پہلے تو نمبردار اس کے در پہ آیا اور دروازے کا پردہ اٹھا کر لے گیا۔ اگرچہ ایہہ کیو نے بہتیرا کہا کہ مسٹر چاؤ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن نمبردار نے پردہ واپس نہیں دیا۔ بلکہ وہ ہر مہینے رشوت دینے کا تقاضا کرتا رہا۔ دوسرے گاؤں والوں نے اس کی عزت کرنا چھوڑ دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اب بھی اسے چھیڑنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ لیکن

اس سے دُور دُور رہتے تھے اور یہ دُور رہنا اس کے "مارو" کے خوف سے بالکل مختلف تھا۔ بلکہ ان کا یہ رویّہ بزرگوں کے بھوتوں کے متعلق اس قول سے مشابہ تھا۔ "ان سے دُور ہی رہو۔"

لیکن گاؤں میں کچھ بیکار لوگ تھے جو اس بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ وہ ایہہ کیو کے پاس گئے اور کھود کھود کر پوچھنے لگے۔ ایہہ کیو نے کوئی بات چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس نے اپنے کارنامے بڑے فخر سے بیان کئے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ شہر میں ایک بڑے چور کا شریکِ کار تھا۔ خود وہ دیوار پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ نقب لگا لینے پر بھی اندر جانے کی جُرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ محض باہر ہی کھڑا رہتا تھا۔ اور بڑا چور جو کچھ لاکر دیتا تھا اُسے وہیں کھڑا سنبھال لیا کرتا تھا۔

ایک رات اس کا ساتھی چور ایک بڑی گٹھڑی اُسے پکڑا کر دوبارہ اندر گیا۔ اتفاق سے اس دوران میں اہل مکان کی آنکھ کھل گئی۔ اور اسے زبردست شور سُنائی دیا۔ اب وہاں ٹھہرنے میں خیریت نہیں تھی۔ لہٰذا وہ اُلٹے پاؤں وہاں سے دوڑا۔ ایہہ کیو اسی رات شہر سے ویچنگ چلا آیا۔ اور وہ گٹھڑی بھی اپنے ساتھ لیتا آیا۔ پھر کبھی اس نے شہر جانے کی جُرأت نہیں کی۔ کہنے کو تو ایہہ کیو نے اپنے کارنامے بیان کئے تھے۔ مگر یہ کہانی اس کے حق میں مضر ثابت ہوئی اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اس قدر بودا چور ہے۔ گاؤں والے اب اس سے اور بھی "دُور رہنے لگے" اور اس پر طرہ یہ کہ اب وہ جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایہہ کیو اس قدر پست ہمت ہے کہ "اس سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

# انقلاب

ہسون تنگ (Hsuon Tung) کے دورِ حکومت میں تیسرے سال نویں چاند کی چودھویں تھی۔ اسی دن اہیہ کیو نے اپنا بٹوہ چاؤ پائی ین (Chao-pai-yen) کو فروخت کیا تھا۔ آدھی رات کے وقت جب چوتھا گھڑیال بج رہا تھا ایک بھاری کشتی ایک بڑے سیاہ بادبان کے ساتھ چاؤ خاندان کے مکان کے قریب کنارے پر آ کر لگی۔ اس وقت گاؤں کے لوگ گہری نیند میں خراٹے بھر رہے تھے۔ اس لئے اس کی آمد کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ لیکن وہ پو پھٹے روانہ ہوئی اور کافی لوگوں نے اسے جاتے دیکھا۔ پوچھ تاچھ اور تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ دراصل یہ کشتی کامیاب صوبائی امیدوار کی تھی۔

اسی کشتی کے باعث تمام ویچنگ میں ہراس اور بے چینی پھیل گئی۔

دوپہر ہوتے ہوتے گاؤں والوں کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے چاؤ خاندان کے افراد نے کشتی کی آمد کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ لیکن چائے کی دوکان اور شراب خانے کی افواہوں کے مطابق کشتی کی آمد کا سبب یہ تھا کہ انقلابی شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ اس لئے کامیاب صوبائی امیدوا گاؤں میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ صرف تسوچی ساؤ مختلف ڈھنگ سے سوچتی تھی اس کا کہنا تھا کہ کامیاب صوبائی امیدوار کے پاس چند آہنی صندوق تھے جنھیں وہ ویچنگ میں رکھ جانا چاہتا تھا۔ لیکن مسٹر چاؤ نے انہیں لوٹا دیا تھا۔ دراصل کامیاب صوبائی امیدوار اور چاؤ خاندان کے کامیاب دیہاتی امیدوار کے باہمی تعلقات اچھے نہیں تھے اور ان سے یہ توقع کرنا لاحاصل تھا کہ وہ مصیبت میں دوست بن جائیں گے۔ اس کے علاوہ تسوچی ساؤ چاؤ خاندان کی پڑوسن تھی اور وہ حالات سے بخوبی واقف تھی اس لئے ممکن ہے اس کی بات درست ہو۔

تب یہ افواہ پھیلی کہ کامیاب صوبائی امیدوار خود نہیں آیا تھا بلکہ اس نے مسٹر چاؤ کے نام ایک طویل خط تحریر کیا تھا۔ جس میں چاؤ خاندان کے ساتھ ایک دُور کا رشتہ بیان کیا گیا تھا۔ مسٹر چاؤ نے وہ خط دھیان سے پڑھا اور آخر فیصلہ کیا کہ صندوقوں کو بطور امانت رکھ لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ چنانچہ اب وہ صندوق شریمتی چاؤ کے پلنگ کے نیچے پڑے ہیں۔ جہاں تک انقلابیوں کا تعلق ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس رات شہر میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے سفید

آہنی ٹوپیاں اور زرہ بکتر پہن رکھے تھے۔ جو سنگ خاندان کے آخری بادشاہ
چُنگ چِنگ کے لئے ماتمی لباس ہے۔

ایہہ کیوؔ نے انقلابیوں کی بابت بہت پہلے سے سن رکھا تھا۔ اور
اس سال تو وہ انہیں اپنی آنکھوں سے پھانسی چڑھتے دیکھ آیا تھا لیکن
کسی نہ کسی طرح اس کا یہ خیال بن گیا تھا کہ انقلابی بغاوت کر رہے ہیں
اور بغاوت اس کے لئے ناسازگار ثابت ہوگی۔ اس لئے وہ ہمیشہ
انقلابیوں سے نفرت کرتا تھا۔ اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھنے کا فیصلہ
کرچکا تھا۔ کون جانتا تھا کہ یہ انقلابی ایک کامیاب صوبائی امیدوار کو
جس کی شہرت تیس تیس میل تک پھیلی ہوئی تھی اس قدر خوف زدہ
کردیں گے۔ چنانچہ اس بات سے ایہہ کیوؔ کو ایک گونہ مسرت حاصل ہوئی
اور جب اس نے دیکھا کہ انقلابیوں کے نام سے ویچنگ کے سب ناپاک
مرد اور عورتیں خوفزدہ ہیں تو اس کی مسرت سہ گنا ہوگئی

"انقلاب کوئی بُری چیز تو نہیں"؛ ایہہ کیوؔ نے سوچا۔ "یہ سب حرامی
پلے ختم ہوجائیں گے۔ یہ کس قدر حقیر اور ذلیل لوگ ہیں۔۔۔۔ میں بھی
انقلابیوں سے مل جانا چاہتا ہوں؛

ان دنوں ایہہ کیوؔ کی حالت خراب تھی۔ اور وہ بہت ہی غیر مطمئن
تھا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ اس نے دوپہر کے وقت خالی معدے پر
شراب کے دو جام پی لئے تھے۔ گو وہ کافی شراب پینے کا عادی تھا
مگر اب اتنے ہی میں نشہ چھا گیا تھا۔ جب وہ اپنے آپ سوچتے

ہوئے چل رہا تھا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا وہ ہوا میں اُڑ رہا ہو۔ یکایک اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اس نے محسوس کیا کہ میں خود ہی تو انقلابی ہوں۔ اور ویحینگ کے تمام لوگ اس کے قیدی ہیں وہ خوشی کے مارے جامے سے باہر ہوگیا۔ اور زور زور سے چلانے لگا۔

"بغاوت! بغاوت!! بغاوت!!!"

ویحینگ کے تمام لوگ خوفزدہ ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایہہ کیو نے ایسی رحم کی ملتجی آنکھیں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ اور ان نگاہوں سے اسے وہی تسکین حاصل ہوئی جو سخت گرمی میں برف کا ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ پہلے سے بھی زیادہ خوش تھا اور چلاّ رہا تھا۔

"بہت خوب..... میں جو چاہوں گا مل جائے گا...... میں جسے چاہوں گا پسند کروں گا۔

ہا ہا تھا تھا!

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنے اچھے دوست چن کو غلطی سے مار ڈالا!

مجھے اسے مارنے کا واقعی افسوس ہے فا'فا'فا

ہا ہا تھا تھا ٹم ٹی ٹم ٹم

میں تمہیں لوہے کی سلاخ سے پیٹوں گا۔"

مسٹر چاؤ اور اس کا بیٹا اپنے دروازے پر کھڑے دو رشتہ داروں کے ساتھ انقلاب کے متعلق بات چیت کر رہے تھے۔ لیکن ایہہ کیو نے انہیں

نہیں دیکھا۔ وہ سر ایک طرف جھکائے جھومتا اور گاتا ہوا جا رہا تھا "ہا ہا تھا تھا ٹم ٹی ٹم !"

"جناب کیو" مسٹر چاؤ نے اسے سلام کیا اور ڈرتے ڈرتے مدھم آواز میں پکارا۔

"ہا ہا، تھا !" اہیہ کیو بدستور گاتا رہا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ اس کا نام اس قدر احترام سے لیا جائیگا کہ اسے "جناب" کہہ کر پکارا جائے گا۔ اس نے سوچا کہ مجھ سے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ شاید اس نے کسی اور کو بلایا ہے۔ چنانچہ وہ بدستور چلتا اور گاتا رہا :- "ہا ہا تھا ٹم ٹی ٹم !"

"جناب کیو !"

"مجھے اسے مار ڈالنے کا افسوس ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"اہیہ کیو !" کامیاب امیدوار نے اسے اصل نام سے پکارا۔

تب اہیہ کیو ٹھہر گیا۔ اور اپنا سر ایک طرف کو جھکائے ہوئے دریافت کیا — "کیا ہے ؟"

"جناب کیو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" مسٹر چاؤ کو اپنا مفہوم ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملے۔ "اب تو تم امیر بن رہے ہو ؟"

"امیر بن رہا ہوں۔ بے شک، میں جو چیز چاہوں لے سکتا ہوں۔"

"اہیہ کیو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خیال رکھنا ہم تو تمہارے پرانے غریب دوست ہیں۔" چاؤ پائی ین نے کچھ اس انداز سے کہا جیسے وہ اس انقلابی کارروائی

معلوم کرنا چاہتا ہو۔

"غریب دوست ؟ تم یقیناً مجھ سے زیادہ امیر ہو۔" ایہہ کیو نے کہا اور وہ آگے چل پڑا۔

وہ کچھ گھبرائے سے اور چپ چاپ وہاں کھڑے رہے۔ پھر مسٹر چاؤ اور اس کا لڑکا گھر کے اندر چلے گئے اور دن چھپے تک اس سوال پر بحث کرتے رہے۔ حتیٰ کہ چراغ جلانے کا وقت آپہنچا۔ جب چاؤ پائی ین گھر گیا تو اس نے نقدی کی تھیلی کمر سے کھول کر اپنی بیوی کو دی اور کہا کہ وہ اسے تہہ خانے میں چھپا دے۔

کچھ عرصہ ایہہ کیو کو یہی محسوس ہوتا رہا کہ گویا وہ ہوا میں اُڑ رہا ہے۔ لیکن دیوتا کے پرانے مندر میں پہنچتے پہنچتے نشہ اتر گیا۔ اور وہ پھر سنجیدہ ہو گیا۔ اس دن مندر کا پُرانا پجاری بھی خاص طور پر مہربان تھا۔ اور اس نے ایہہ کیو کو چائے پیش کی۔ ایہہ کیو نے دو بڑے بسکٹ مانگے اور انہیں کھا کر پجاری سے ایک چار اونس کی موم بتی طلب کی۔ جو اُسے مل گئی۔ وہ موم بتی جلا کر اپنے مختصر کمرے میں تنہا لیٹ گیا۔ وہ آج غیر معمولی طور پر خوش تھا۔ موم بتی کے شعلے کو وہ ایسے رقص کرتے دیکھ رہا تھا جیسے وہ چراغوں کے میلے پر دیکھا کرتا تھا۔ اور اسے اپنے خیالات ہوا میں تیرتے ہوئے سے دکھائی دیتے تھے۔

"بغاوت! یہ بہت ہی دلچسپ بات ہو گی۔۔۔۔ انقلابیوں کا ایک گروہ آئے گا۔ انھوں نے سفید آہنی ٹوپیاں اور سفید زرہ بکتر پہنے ہوئے ہونگے

اور وہ لوہے کی سلاخوں، چاقوؤں، بموں، غیر ملکی بندوقوں اور تیز دھارے والے چھرے اور چھریوں سے مسلح ہوں گے۔ وہ دیوتا کے پرانے مندر میں بھی آئیں گے اور مجھ سے کہیں گے۔ "ایہہ کیو! اُٹھو اُٹھو ہمارے ساتھ آؤ" اور میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ . . . . "

"تب ویچنگ کے ان ناپاک مرد اور عورتوں کی حالت قابلِ رحم ہو گی۔ وہ دو زانو ہو کر مجھ سے درخواست کریں گے۔ "ایہہ کیو، ہماری جان بخش دو۔" مگر اس وقت ان کی بات کون سُنے گا؟ سب سے پہلے ننھے ڈون اور مسٹر چاؤ کو تلوار کے گھاٹ اتارا جائیگا۔ اس کے بعد کامیاب امیدوار اور غیر ملکی شیطان کی نقل" کی باری آئے گی . . . . . لیکن شاید میں چند ایک کو بخش دوں پہلے تو میں وہسکروانگ کی جان بخشی کر دیتا۔ لیکن اب نہیں کروں گا . . . . "

"چیزیں . . . . . . میں سیدھا گھروں کے اندر جاؤں گا۔ صندوق اور الماریاں کھولوں گا۔ سونا چاندی، دیسی بدیسی سکّے، بدیسی ململ کی واسکٹیں۔ سب سے پہلے میں کامیاب امیدوار کا رنگین پلنگ اٹھا کر مندر میں لاؤں گا۔ اور چین گھرانے کی میزیں اور کرسیاں بھی اُٹھا لاؤں گا۔ . . . . میں چاہوں تو چاؤ گھرانے کی میز کرسیاں بھی استعمال کر سکتا ہوں۔ میں خود تو انگلی بھی نہیں ہلاؤں گا۔ ننھے ڈون کو حکم دوں گا کہ وہ سب چیزیں اُٹھا کر مندر میں پہنچا دے۔ اور جلدی کرے ورنہ منھ پر زناٹے کا چپت رسید ہو گا . . . . . "

"چاؤ سوچن کی چھوٹی بہن بہت ہی بدصورت ہے۔ چند سال کے

بعد تسوچی ساؤ کی لڑکی قابلِ اعتنا ہو سکتی ہے ۔ "غیر ملکی شیطان کی نقل" کی بیوی ہر اس آدمی کے ساتھ سونے کے لئے تیار ہے جس کے سر پہ چوٹی نہیں ہے ۔ لہذا وہ اچھی عورت نہیں ہو سکتی ۔ کامیاب امید وار کی بیوی کے چہرے پر چیچک کے داغ ہیں ۔ اس دن کے بعد میں نے ماہ واکو نہیں دیکھا ۔ آخر وہ کہاں ہے ؟ .... لیکن اس کے پاؤں کچھ زیادہ بڑے ہیں۔"

کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی اُسے نیند آگئی ۔ اور وہ خراٹے بھرنے لگا ۔ چار اونس کی موم بتی ابھی بمشکل آدھا انچ جلی تھی اس کا سُرخ شعلہ اہ کیو کے کھلے ہوئے منھ کو روشن کر رہا تھا ۔

" ہو، ہو ! " اہ کیو بڑبڑا کر اُٹھا ۔ اس نے ایک گونہ وحشت سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی ۔ لیکن چار اونس کی موم بتی کو جلتے دیکھ کر پھر لیٹ گیا اور اُسے پھر نیند آگئی ۔

صبح ہوئی، وہ دیر سے اُٹھا ۔ اور جب وہ گلی میں نکلا تو دیکھا کہ ہر ایک چیز اپنی پرانی حالت میں تھی ۔ وہ اب بھی بھوکا تھا ۔ اس نے بہت سوچا بہت غور کیا ۔ لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ۔ تب یکایک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا ۔ اور وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا ۔ وہ چلتا رہا حتیٰ کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر راہباؤں کے "شانتی آشرم" کے قریب پہنچ گیا ۔

آشرم کا ماحول اتنا ہی پُر سکون تھا جتنا کہ اس روز بہار میں تھا ۔ اس کی دیواریں سفید اور دروازہ سبز تھا ۔ اس نے ایک منٹ رُک کر سوچا تب آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی جس کے جواب میں اندر سے کتے

کے بھونکنے کی آواز آئی۔ اس نے جھٹ پٹ بہت سے اینٹ پتھر جمع کر لئے اور پھر پہلے سے کہیں زیادہ تندی کے ساتھ دروازے کو کھٹ کھٹایا اور وہ اس وقت تک کھٹ کھٹاتا رہا جب تک کہ اسے یہ اطمینان نہیں ہو گیا کہ کوئی دروازہ کھولنے آرہا ہے۔

ایہہ کیو اینٹ پتھر جھولی میں بھر کر اور ٹانگیں چوڑی کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ کالے کتے سے جنگ کرنے کو بالکل تیار تھا۔ لیکن آشرم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور کتا باہر نہیں آیا۔ جب اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو اسے بوڑھی راہبہ نظر آئی۔

"تم پھر یہاں کس لئے آئے ہو؟" راہبہ نے چونک کر پوچھا۔

"انقلاب آیا ہے..... تمہیں معلوم ہے؟" ایہہ کیو نے مبہم انداز سے کہا۔

"انقلاب، انقلاب...... ایک انقلاب تو پہلے بھی آیا تھا۔ تمہارا انقلاب ہمارا کیا بگاڑے گا؟" بوڑھی راہبہ نے کہا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟" ایہہ کیو نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہیں نہیں معلوم؟ یہاں ایک انقلاب پہلے ہی آچکا ہے"

"کون؟" ایہہ کیو نے اور بھی زیادہ حیرت سے پوچھا۔

"کامیاب امیدوار اور غیر ملکی شیطان کی نقل"

ایہہ کیو کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

جب راہبہ نے دیکھا کہ وہ نرم پڑ چکا ہے تو فوراً دروازہ بند کر لیا۔ جب اہیہ کیو نے دوبارہ اسے دھکا دیا تو وہ اُسے ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔ اور وہ دوبارہ کھٹ کھٹاتا بھی رہا لیکن کسی نے جواب تک نہیں دیا۔

اس روز بات یُوں ہوئی۔ چاؤ خاندان کے کامیاب امیدوار کو خبر بہت جلد پہنچتی تھی۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ انقلابی شہر میں داخل ہو گئے ہیں اس نے جھٹ پٹ اپنی چوٹی سر پر باندھ لی۔ گو چین خاندان کے "غیر ملکی شیطان کی نقل" کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ لیکن آج وہ خود اس کے پاس گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ "سب کو اصلاح کے لئے کام کرنا چاہیئے"۔ چنانچہ ان میں گھل مل کر باتیں ہوئیں۔ حتےٰ کہ وہ پکے دوست بن گئے۔ اور انھوں نے انقلابی بن جانے کا عہد کیا۔

بہت سوچ بچار کے بعد انھیں دھیان آیا کہ راہباؤں کے شانتی آشرم میں ایک شاہی کتبہ ہے جس پر "بادشاہ زندہ باد......" لکھا ہوا ہے سب سے پہلے اسے توڑنا چاہیئے۔ اپنی انقلابی سرگرمیاں انجام دینے کیلئے وہ فوراً آشرم میں آئے۔ جب بوڑھی راہبہ نے انھیں روکنے اور کچھ کہنے کی کوشش کی تو اسے انھوں نے مانچو سرکار کا حامی سمجھا اور اسے اپنی ہاکی اور ڈنڈے سے پیٹا۔ ان کے جانے کے بعد راہبہ جب ہوش میں آئی تو اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ قدرتی طور پر شاہی کتبہ زمین پر ٹوٹا پڑا تھا اُسے انھوں نے ریزہ ریزہ کر دیا تھا اس کے علاوہ کوآن ین (KUON YON) کی سمادھی کے آگے جو قیمتی اور خوبصورت دھوپ دان رکھا رہتا تھا وہ بھی غائب تھا۔

ایہہ کیو کو یہ بات بعد میں معلوم ہوئی۔ اُسے اس وقت سوتے رہنے کا بے حد افسوس ہوا۔ اور اسے یہ بات بڑی لگی کہ وہ اُسے جگانے کیوں نہیں آئے۔ تب اس نے تمام معاملے پہ وسیع نظر سے غور کیا۔ اور اپنے تئیں سوچا ـــــ "کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ انہیں ابھی تک معلوم ہی نہ ہو کہ میں بھی انقلابیوں میں شامل ہو چکا ہوں؟"

# ٹوٹی کہاں کمند

ویجنگ میں زندگی رفتہ رفتہ پھر اعتدال پر آگئی۔ جو خبریں آتی تھیں ان سے انہیں معلوم ہوا کہ گو شہر پر انقلابیوں کا قبضہ ہو چکا ہے لیکن اس سے کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ مجسٹریٹ اب بھی سب سے بڑا افسر تھا صرف اس کا ٹائٹل تبدیل ہو گیا تھا۔ کامیاب صوبائی امیدوار کو بھی کوئی بڑا عہدہ ملا تھا۔ اس عہدے کا نام کیا تھا یہ ویجنگ کے دیہاتی لوگوں کو یاد نہیں رہ سکا۔ بہرکیف وہ ایک اچھا عہدہ تھا اور فوج کا بڑا افسر بھی وہی پرانا کیپٹن تھا۔ صرف یہی خبر خطرناک تھی کہ کچھ ایسے بُرے انقلابی بھی ہیں جو لوگوں کی چوٹیاں کاٹتے گھوم رہے ہیں۔ کہا جاتا تھا کہ "سات پونڈ" نامی ملاح اتفاق سے ان کے ہاتھ پڑ گیا۔ اور انھوں نے اس کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ وہ بے چارہ اب پہچانا بھی نہیں جاتا۔ لیکن یہ خطرہ بھی کوئی خاص اہمیت نہیں

رکھتا تھا۔ کیونکہ ویچنگ کے لوگ شاذ و نادر ہی شہر جاتے تھے۔ اگر کسی شخص کے لئے جانا ضروری بھی تھا تو اس خطرے کے پیشِ نظر اس نے وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا۔ ایہہ کیو کا خیال تھا کہ اپنے پرانے دوستوں سے ملنے شہر جائے۔ لیکن جونہی اس نے یہ خبر سُنی فوراً ارادہ ترک کر دیا۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ویچنگ میں کسی قسم کی اصلاح نہیں ہوئی۔ گذشتہ چند روز میں چوٹیاں سر پر باندھنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ چوٹی باندھنے والا پہلا آدمی کامیاب امیدوار تھا۔ اس کے بعد چاؤ سوچن اور چاؤ پائی ین نے شروع کیا اور پھر ایہہ کیو نے۔ اگر گرمی کا موسم ہوتا تو عین ممکن تھا کہ گاؤں کے سارے لوگ اپنی اپنی چوٹیاں سروں پر باندھ لیتے یا انہیں گانٹھیں لگا لیتے۔ مگر اس وقت سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اور سردی میں "گرمی کے موسم کی طرح سروں پر چوٹی باندھنا" واقعی شجاعت اور ہمت کا کام تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ویچنگ میں یہ کام بنا اصلاح کے اثر کے نہیں ہو سکتا تھا۔

جب چاؤ سوچن کھلے گلے کے ساتھ آیا تو دیکھنے والے بے ساختہ کہہ اُٹھے "ایہہ! وہ دیکھئے انقلابی آ رہا ہے!"

ایہہ کیو اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ اگرچہ اس نے بہت پہلے سُن لیا تھا کہ کامیاب امیدوار اپنی چوٹی سر پہ باندھنے لگا ہے تاہم اُسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ صرف اب جب اسے معلوم ہوا کہ چاؤ سوچن بھی اس کی تقلید میں چوٹی باندھنے لگا ہے تو اس نے سوچا کہ مجھے بھی ایسا ہی

کرنا چاہیئے اور اس نے دوسرے دن سے چوٹی باندھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی چوٹی باندھنے کے لئے بانس کی ایک چپٹی استعمال کرتا تھا۔ پہلے دن اسے یہ بات عجیب دکھائی دی اور وہ تھوڑی دیر مذبذب رہا آخر ہمت کر کے باہر نکلا۔

جب وہ گلی میں سے گذر رہا تھا لوگ اسے دیکھ رہے تھے مگر کسی کے منھ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ ایہہ کیو کو یہ بات بہت ناپسند تھی اور پھر اُسے غصہ بھی آیا۔ وہ ان دنوں بہت جلد ناراض ہو جاتا تھا۔ اگرچہ حالات قدرے بہتر ہو گئے تھے۔ زندگی اتنی سخت نہیں تھی جتنی انقلاب سے پہلے۔ لوگ اس کے ساتھ ملائمیت سے پیش آتے تھے اور دوکاندار نقد پیسے کا تقاضہ نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی ایہہ کیو غیر مطمئن تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ چونکہ انقلاب آچکا ہے اس لئے حالات اور بہتر ہونے چاہیئں۔ اور جب وہ ننھے ڈون کو دیکھ لیتا تھا تب تو اس کا خون ہی کھولنے لگتا تھا۔

ننھا ڈون بھی اپنی چوٹی سر پر باندھنے لگا تھا اور مزے کی بات یہ ہو کہ اس نے بھی چوٹی باندھنے کے لئے ٹھیک اسی طرح بانس کی چپٹی استعمال کی تھی۔ ایہہ کیو نے کبھی سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ننھا ڈون بھی ایسا کرنے کی جرأت کرے گا۔ وہ کسی طور یہ حرکت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ننھے ڈون کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اس کے دل میں زبردست تحریک پیدا ہوئی کہ اُسے وہیں پکڑ لے، بانس کی چپٹی توڑ دے۔ اس کی چوٹی منتشر کر دے اور اس کے منھ پر ایسے زور زور سے چپت لگائے کہ اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں اور انقلابی بننے کا سارا نشہ ہرن ہو جائے۔ لیکن آخر اس نے یہ سب کچھ نہیں

کیا۔ صرف اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور زمین پر تھوکتے ہوئے حقارت آمیز لہجے میں کہا ــــ "اُونھ !"

گذشتہ چند روز میں صرف ایک شخص "غیر ملکی شیطان کی نقل" شہر گیا تھا چاؤ خاندان کے کامیاب امیدوار کا خیال تھا کہ وہ ان آہنی صندوقوں کے لوٹانے کے بہانے شہر جائے اور صوبائی امیدوار سے ملاقات کرے۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ شہر میں اس کی چوٹی کٹ جانے کا اندیشہ ہے وہ وہاں جانے سے باز رہا۔ البتہ اس نے ایک بہت ہی جذباتی خط لکھا اور غیر ملکی شیطان کی نقل سے کہا کہ وہ اس خط کو شہر لے جائے وہاں ۔۔۔ پارٹی کے لیڈروں سے ملاقات کرے اور ان سے اس کا تعارف کرائے۔ جب غیر ملکی شیطان کی نقل لوٹ کر آیا تو اس نے کامیاب امیدوار سے چار ڈالر طلب کئے۔ اس کے بعد کامیاب امیدوار اپنے سینے پر ایک چاندی کا بلّہ لگانے لگا۔ ویچنگ کے لوگ اس بلّے سے بے حد مرعوب ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ پرسیمون آئل پارٹی (Persimmon oil Party) کا تمغہ ہے اور ہان لین کے برابر ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر مسٹر چاؤ کا وقار بہت بڑھ گیا۔ اور یہ وقار اس سے کہیں زیادہ تھا جب اس کے لڑکے نے افسری کا امتحان پاس کیا تھا۔ لہٰذا وہ ہر شخص کو حقارت سے دیکھنے لگا۔ اب وہ اہیہ کیو کو بھی دیکھتا تھا تو اسے نظر انداز کر دیتا تھا۔

اہیہ کیو سخت پریشان تھا اور یہ احساس روز بروز شدید ہوتا جا رہا تھا کہ اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ لیکن جونہی اس نے چاندی کے بلّے کی

بات سُنی اپنے متعلق لوگوں کی بے اعتنائی اور سرد مہری کا سبب فوراً اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اپنے آپ کو انقلابی بنانے کے لئے صرف اس قدر کہہ دینا ہی کافی نہیں تھا کہ میں بھی انقلابیوں کے ساتھ تھا اور سر پر چوٹی باندھ لینا بھی اس بات کا کافی ثبوت نہیں تھا۔ بلکہ اہم ترین بات یہ تھی کہ شہر میں جا کر انقلابی پارٹی کے ساتھ تعلق پیدا کیا جائے۔ زندگی بھر میں اس کی صرف دو ہی انقلابیوں سے بات ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک شہر میں پھانسی لٹک چکا تھا۔ اور اب صرف غیر ملکی شیطان کی نقل رہ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے غیر ملکی شیطان سے براہِ راست گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہ گیا تھا۔

اتفاق سے چن مکان کے سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ اٰیہ کیو دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ اندر پہنچتے ہی وہ چونک پڑا کیونکہ اس نے دیکھا کہ غیر ملکی شیطان کی نقل آنگن کے درمیان میں کھڑا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس ہے۔ بلاشبہ یہ لباس بدیسی ہے اور اس نے چاندی کا بلّہ لگا رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں وہی چھڑی تھی جس کا مزا اٰیہ کیو چکھ چکا تھا۔ اس کے سر کے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور وہ کوئی پہاڑی دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ چاؤ پائی ین اور تین اور آدمی اس کے سامنے مؤدب کھڑے تھے۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اُسے نہایت احترام سے سُن رہے تھے۔

اٰیہ کیو پنجوں کے بل چلتا ہوا اندر گیا اور چاؤ پائی ین کے پیچھے کھڑا

ہوگیا۔ وہ آداب عرض کرنا چاہتا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس نام سے مخاطب کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے غیر ملکی شیطان کی نقل نہیں کہہ سکتا تھا۔ "غیر ملکی" یا "انقلابی" کہنا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شاید "جناب بدیسی" کہنا عین مناسب ہو۔

لیکن "جناب بدیسی" نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ آنکھیں اوپر اٹھائے بڑی محویت سے باتیں کر رہا تھا۔

"میں نہایت جذباتی آدمی ہوں۔ پس جب ہم ملے تو میں نے کہنا جاری رکھا۔ "پیارے ہنگ! اس سے ہمارا کام چل جائیگا۔"

لیکن اس نے ہمیشہ یہی جواب دیا — "ناٹ!" یہ ایک بدیسی لفظ ہے تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔ ورنہ ہم بہت پہلے کامیاب ہوجاتے۔ یہ اس بات کی ایک معمولی سی مثال ہے کہ وہ کتنا محتاط ہے۔ اس نے مجھے بار بار ہوپے جانے کو کہا۔ لیکن میں اس بات سے متفق نہیں ہوا۔ اتنی چھوٹی جگہ میں کام کرنا کون پسند کرتا ہے؟......"

"ار..... ار —" اہیہ کیو نے بات ختم ہونے کا انتظار کیا۔ اور تب بصد جرأت کہنا شروع کیا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے جناب بدیسی کہہ کر مخاطب نہیں کر سکا۔

چاروں آدمی جو مسٹر چین کی بات سن رہے تھے چونک اٹھے، اور انھوں نے مڑ کر اہیہ کیو کو دیکھا۔ جناب بدیسی نے بھی اسے پہلی مرتبہ دیکھا۔

"کیا ہے؟"

"میں . . . . ."

"بھاگ جاؤ!"

"میں شامل ہونا چاہتا ہوں . . . . ."

"جاتے ہو کہ نہیں!" جناب بدیسی نے چھڑی گھماتے ہوئے کہا۔

تب چاؤ پائی ین اور دوسرے لوگوں نے بیک وقت چلا کر کہا۔
"مسٹر چیَن نکل جانے کو کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے سُنا نہیں؟"

اےہہ کیو نے اپنا سر بچانے کے لئے ہاتھ اوپر اُٹھائے۔ اور حفاظت کا غیر شعوری تصوّر ذہن میں لئے وہ دروازے سے باہر بھاگ کھڑا ہوا اور اس مرتبہ شریمان بدیسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ کوئی ساٹھ قدم تک سرپٹ بھاگنے کے بعد اس نے اپنی رفتار مدھم کرنا شروع کی اور اس کے ذہن پر انتہائی مایوسی کا احساس طاری ہونے لگا۔ کیونکہ اگر شریمان بدیسی نے اسے انقلابی بننے کی اجازت نہ دی تو انقلابی بننے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا آئندہ وہ کبھی یہ امید نہیں کر سکے گا کہ سفید آہنی ٹوپیوں اور سفید زرہ بکتر میں ملبوس لوگ اسے بلانے آئیں۔ اس کی تمام اُمنگیں، حسرتیں اور ارمان اور مستقبل ایک ضرب میں تباہ ہو گیا۔ امیدوں پر یوں اوس پڑ جانے کا اسے اس قدر ملال تھا کہ اس کے مقابلے میں یہ ٹھوس حقیقت کہ لوگ اس کے متعلق افواہیں پھیلائیں گے اور وہ ننھے ڈون اور وہسکر وانگ ایسے لوگوں کے لئے مایہ تفریح بننے گا ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔

وہ اتنا مایوس اور بے حقیقت پہلے کبھی نہیں تھا۔ اسے اب سر پر

چوٹی باندھنا بھی بیکار معلوم ہوتا تھا۔ لوگ اس کے اس فعل کا بھی مذاق اڑائیں گے اس سے زیادہ اس کا اور کیا مصرف ہو سکتا تھا۔ وہ انتقاماً چوٹی کو فوراً کھول دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ وہ شام تک گھومتا رہا اس کے بعد وہ شراب کی دوکان پر گیا۔ اور دو پیگ اُدھار پیئے۔ پینے کے بعد طبیعت قدرے بشاش ہوئی اور اس کے ذہن میں ایک بار پھر سفید آہنی ٹوپیوں اور سفید زرہ بکتروں میں ملبوس انقلابیوں کے مدھم سے سائے گھومنے لگے۔

ایک دن وہ رات گئے تک گھومتا رہا۔ جس وقت شراب کی دوکان بند ہونے والی تھی صرف اس وقت وہ دیوتا کے پرانے مندر میں واپس آیا۔

"ٹھا — ٹھوں ٹھا!"

اس نے یکایک ایک غیر معمولی آواز سُنی۔ یہ آتش بازی چھوٹنے کی آواز یقیناً نہیں تھی۔ اہیہ کیو شور شر ہمیشہ پسند کرتا تھا اور ایسے موقعوں پر دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل دیتا تھا۔ چنانچہ وہ اندھیری رات میں اس شور کی تلاش کرنے لگا۔ اسے سامنے سے پاؤں کی چاپ سُنائی دی۔ وہ دھیان سے سُن ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اچانک اس کے سامنے آکھڑا ہوا اہیہ کیو کو دیکھتے ہی وہ اُلٹے پاؤں بھاگا اور اہیہ کیو پوری قوت سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ جب وہ موڑ پر گھومتا تھا تو اہیہ کیو بھی گھومتا تھا۔ اور جب ایک کونے میں پہنچ کر وہ آدمی ٹھہرا تو اہیہ کیو بھی ٹھہر گیا۔ وہاں اُسے وہ صاف پہچان سکتا تھا۔ وہ دوڑنے والا آ... ننھا ڈون تھا۔

"معاملہ کیا ہے؟" ایہہ کیتو نے خفگی سے دریافت کیا۔

"چاؤ . . . . چاؤ خاندان کو لوٹ لیا گیا ہے۔" ننھے ڈوتن نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ایہہ کیتو کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ خبر سُنا کر ننھا ڈوتن چلا گیا ایہہ کیتو دوڑنے لگا اور وہ لگاتار دوڑتا ہی رہا۔ چونکہ وہ ایک مرتبہ یہ کام کر چکا تھا اس لئے اسے اپنے اندر غیر معمولی ہمت محسوس ہوئی۔ گلی کے کونے سے نکل کر وہ ٹھہر گیا۔ اور اس نے محسوس کیا کہ وہ بہت سی آوازیں سُن رہا ہے۔ پھر وہ دھیان سے دیکھنے لگا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ بہت سے آدمیوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو سفید آہنی ٹوپیوں اور سفید زرہ بکتر میں ملبوس ہیں۔ وہ صندوق، ٹرنک اور میز کرسیاں اُٹھائے جا رہے ہیں۔ اور انھوں نے کامیاب امیدوار کی بیوی کا پلنگ بھی اُٹھا رکھا ہے . . . . وہ اُٹھائے جا رہے تھے۔ لیکن اُسے خود اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آتا تھا۔ آخر اس نے ان کے قریب نہ جانے کا فیصلہ کیا اور وہ پُرانے مندر میں لوٹ آیا۔

دیوتا کے پُرانے مندر میں اور بھی اندھیرا تھا۔ بڑا دروازہ بند کر کے وہ ٹٹولتا ہوا اپنے کمرے میں آیا۔ تھوڑی دیر لیٹ لینے کے بعد جب اس کا سانس ٹھکانے آیا تب اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ واقعہ اس کی ذات پر کس طرح اثر انداز ہوگا۔ سفید آہنی ٹوپیوں اور سفید زرہ بکتر میں ملبوس لوگ ضرور آئے لیکن انھوں نے اسے اپنے ساتھ شریک ہونے کے لئے نہیں بلایا۔ وہ بہت سی چیزیں اٹھا کر لے گئے۔ مگر ان میں اس کا کوئی حصہ نہیں

ہے۔ یہ سب غیر ملکی شیطان کی نقل کی کارستانی ہے جس نے اسے انقلاب میں شریک ہونے سے روک دیا ہے ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اسے اس مرتبہ بھی حصہ نہ ملتا۔

وہ اس کے متعلق جتنا زیادہ سوچتا تھا اتنا ہی اس کا غصہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ آخر اس کا پارہ یہاں تک چڑھ گیا کہ اس نے سر ہلا ہلا کر کہنا شروع کیا:۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے لئے کوئی بغاوت نہیں۔ غیر ملکی شیطان کی نقل ـــ کتیا کے بچے! اچھا پھر یونہی سہی۔ تمھیں باغی بنو۔ بغاوت کی سزا پھانسی ہے۔ میں جاسوس بنوں گا تاکہ تمھارا سر قلم کرنے کے لئے تمہیں شہر پہنچایا جائے۔ تم اور تمھارا خاندان ...... سب کو قتل کیا جائے گا۔ قتل! قتل!!"

# شاندار انجام

چاؤ خاندان کے لٹ جانے سے ویچنگ کے سب لوگ خوش تھے
لیکن ڈرے ہوئے بھی تھے اور یہی حال ایہہ کیو کا بھی تھا۔ لیکن چار روز
بعد ایہہ کیو کو آدھی رات کے وقت کھینچ کر شہر لے جایا گیا۔ یہ ایک تاریک
رات کا واقعہ ہے جبکہ ایک دستہ فوجیوں کا، ایک دستہ سپاہیوں کا، ایک
دستہ پولیس کا اور سی، آئی، ڈی کے پانچ آدمی چپ چاپ ویچنگ میں آئے
اور تاریکی کے پردے میں دیوتا کے پرانے مندر کا محاصرہ کر لیا۔ اور
دروازے پر ایک مشین گن لگا دی مگر ایہہ کیو پھر بھی باہر نہیں آیا۔ مندر
میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوئی۔ کیپٹن بے چین ہو گیا اور اس نے اندر جانے
کے لئے بیس ڈالر کا انعام پیش کیا۔ تب کہیں جا کر دو فوجی سپاہیوں نے
خطرہ مول لینے اور دیوار پھاند کر مندر میں داخل ہونے کی جرأت کی۔ پھر

ان کے تعاون سے دوسرے لوگ بھی اندر گئے اور وہ ایہہ کیو کو کھینچ کر باہر لائے۔ لیکن جب تک وہ اسے مندر سے باہر کھینچ کر مشین گن کے قریب نہیں لے گئے۔ وہ اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئے وہ ڈرتے ہی رہے۔

جب وہ شہر میں پہنچے تو دوپہر ہو چکی تھی اور ایہہ کیو دیکھ رہا تھا کہ اسے ایک پرانی جیل میں پہنچا دیا گیا ہے۔ پانچ چھ موڑ گھومنے کے بعد اسے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں ڈھکیل دیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد چوبی سلاخوں کے دروازے کو بند کر کے مقفل کر دیا گیا۔ کمرے کے باقی تین طرف سیاہ دیواریں تھیں جب ایہہ کیو نے دھیان سے دیکھا تو ایک کونے میں دو آدمی اور بیٹھے تھے۔

اگرچہ ایہہ کیو کسی قدر پریشان تھا لیکن وہ کسی طرح بھی مایوس نہیں تھا۔ کیونکہ دیوتا کے پرانے مندر میں اس کے سونے کا کمرہ جیل کے کمرے سے کسی طرح بہتر نہیں تھا۔ وہ دو آدمی بھی دیہاتی ہی تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے اپنے جیل میں بند ہونے کا سبب یہ بتایا کہ کامیاب صوبائی امیدوار اس سے وہ کرایہ وصول کرنا چاہتا ہے جو اس کے دادا کے ذمے واجب الادا تھا اور دوسرے کو اپنے جیل میں بند ہونے کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ جب انہوں نے ایہہ کیو سے اس کے وہاں آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے صاف صاف کہا، "کہ میں بغاوت کرنا چاہتا تھا!"

بعد دوپہر اسے دروازے میں سے کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ پھر وہ اسے

ایک بڑے ہال میں لے گئے جس کے پرلے سرے پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا اس کا سر استرے سے صفاچٹ تھا۔ ایہہ کیو نے پہلے تو سوچا کہ یہ کوئی مہنت ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ نیچے ایک درجن سپاہی کھڑے ہیں اور لمبے لمبے چوغے پہنے ایک درجن آدمی اور کھڑے ہیں جن کے سر کے بال اسی شخص کی طرح صاف ہیں اور بعض نے غیر ملکی شیطان کی نقل کی پٹے رکھے ہوئے ہیں تب اُسے محسوس ہوا کہ یہ آدمی کوئی بڑا افسر ہے۔ فوراً اس کے گھٹنوں کے جوڑ ڈھیلے ہو گئے اور وہ اس کے سامنے دوزانو ہو گیا۔

"کھڑے ہو کر بات کرو۔ بیٹھو نہیں۔" چوغے والے سب آدمیوں نے یک زبان کہا۔

اگرچہ ایہہ کیو ان کا مطلب سمجھ گیا تھا لیکن اس کے اندر کھڑا رہنے کی سکت نہیں تھی۔ اس کا جسم خود بخود گر پڑا تھا جیسے وہ چوکڑی مار کر بیٹھ جانا چاہتا ہو۔ لیکن اپنے آپ کو اس حالت سے سنبھال کر وہ دوزانو ہو گیا۔

"غلام! ....." لمبے چوغے والے آدمیوں نے حقارت آمیز لہجے میں دوبارہ کہا۔ لیکن انھوں نے اس کے کھڑا ہو جانے پر اصرار نہیں کیا۔

"سچ سچ کہو۔ تم بچ جاؤ گے۔" گھٹے ہوئے سر والے بوڑھے آدمی نے اپنی آنکھیں ایہہ کیو پر گاڑتے ہوئے دھیمی لیکن صاف آواز میں کہا۔ "مجھے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔ اگر تم اقبال کر لوگے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

"اقبال کرو" لمبے چوغوں والے آدمیوں نے اونچی آواز میں کہا۔

"درحقیقت میں خود ...... آنا ...... چاہتا تھا" ایک دو منٹ سوچنے

کے بعد ایہہ کیو نے رُکتے رُکتے کہا۔

"تب پھر تم کیوں نہیں آئے؟" بوڑھے آدمی نے ملائمیت سے دریافت کیا۔

"غیر ملکی شیطان کی نقل نے مجھے آنے نہیں دیا۔"

"واہیات۔ اب اس بات سے کیا فائدہ۔ یہ بتاؤ تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے اس رات چاؤ خاندان کو لوٹا؟"

"وہ مجھے بلانے نہیں آئے۔ سب چیزیں وہ خود اٹھا کر لے گئے۔" اس بات کا ذکر آتے ہی ایہہ کیو کو غصہ آ گیا۔

"وہ کہاں گئے؟ جب تم مجھے بتا دو گے تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔" بوڑھے آدمی نے پھر ملائمیت سے کہا۔

"مجھے معلوم نہیں...... وہ مجھے بلانے نہیں آئے...."

تب بوڑھے آدمی کے اشارے پر ایہہ کیو کو وہ پھر گھسیٹ کر اس کوٹھڑی میں لے گئے۔ جب اسے دوبارہ نکالا گیا تو دوسرے روز کی صبح ہو چکی تھی۔ بڑے ہال کا نقشہ جوں کا توں تھا۔ گھٹے ہوئے سر والا بوڑھا آدمی بدستور وہیں بیٹھا تھا۔ ایہہ کیو حسب سابق اس کے سامنے پھر دوزانو ہو گیا۔

"کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟" بوڑھے آدمی نے حلیمی سے دریافت کیا۔ ایہہ کیو نے سوچا اور فیصلہ کیا کہ اور کوئی بات بتانے کو نہیں ہے۔

چنانچہ جواب دیا — "نہیں"

تب ایک لمبے چوغے والا آدمی ایک کاغذ لایا اور ایک برش ایہہ کیوؔ کے ہاتھ میں تھما دینا چاہا۔ ایہہ کیوؔ اب بہت ہی گھبرایا ہوا تھا اور ڈر گیا تھا زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ لکھنے کا برش اس کے ہاتھ میں تھمایا گیا۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ برش کو کس طرح پکڑے کہ اس آدمی نے کاغذ پر ایک جگہ اپنی انگلی رکھتے ہوئے کہا کہ یہاں دستخط کر دو۔

"میں — میں — لکھنا نہیں جانتا۔" ایہہ کیوؔ نے گھبراتے اور شرماتے ہوئے برش پکڑ کر کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو تمھارے لئے آسان بات یہ ہے کہ اس پر ایک دائرہ کھینچ دو۔"

ایہہ کیوؔ نے دائرہ کھینچنے کی کوشش کی۔ لیکن جس ہاتھ میں اس نے برش پکڑا ہوا تھا وہ لرز گیا۔ چوغے والے آدمی نے کاغذ اس کی سہولت کے لئے زمین پر بچھا دیا۔ ایہہ کیو نے جھک کر اور اس قدر احتیاط کے ساتھ گویا اس کی زندگی کا انحصار اسی ایک بات پر ہے۔ ایک دائرہ بنا دیا۔ اُسے اندیشہ تھا کہ لوگ اس پر ہنسیں گے۔ اس لئے اس نے دائرے کو گول بنانے کا تہیہ کیا۔ مگر کمبخت برش نہ صرف بہت بوجھل تھا بلکہ وہ اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا تھا۔ اپنی مرضی سے اِدھر اُدھر جا رہا تھا۔ اور جب لکیر بند ہونے کو تھی برش اچانک باہر کو پھسل گیا۔ اور یوں دائرہ گول ہونے کے بجائے بیضوی ہو گیا۔

آیہہ کیو بہت نادم تھا کہ وہ دائرہ گول نہیں بنا سکا۔ چوغے والے آدمی نے دائرہ کے متعلق کسی رائے کا اظہار کئے بغیر کاغذ اور برش واپس لے لیا اور تب چند آدمی اسے تیسری مرتبہ گھسیٹتے ہوئے جیل کی اس کوٹھڑی میں بند کر آئے۔

تیسری مرتبہ کوٹھڑی میں داخل ہوتے وقت اس کے دل پر کوئی خاص ملال نہیں تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اس دُنیا میں ہر آدمی کو کسی نہ کسی وقت جیل میں بند ہونا پڑتا ہے اور ایک کاغذ پر دائرہ کھینچنا پڑتا ہے۔ اسے اگر ملال تھا تو صرف اس بات کا کہ وہ دائرہ صحیح نہیں کھینچ سکا۔ مگر تھوڑی دیر میں اس کی طبیعت بحال ہو گئی اور اس نے سوچا کہ "صرف احمق لوگ ہی دائرہ صحیح بنا سکتے ہیں۔" اور یہ خیال آتے ہی وہ سو گیا۔

مگر اس رات کامیاب صوبائی امیدوار کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا کیپٹن سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ کامیاب صوبائی امیدوار مصر تھا کہ سب سے اہم بات چوری کا مال برآمد کرنا ہے۔ جبکہ کیپٹن کی رائے تھی کہ سب سے اہم بات مجرم کو پبلک کے رُوبرو عبرت انگیز سزا دینا ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے کیپٹن کامیاب صوبائی امیدوار کے ساتھ حقارت آمیز سلوک روا رکھنے لگا تھا۔ چنانچہ اس نے میز پر زور سے گھونسا مارتے ہوئے کہا — "سبق کو ڈرانے کے لئے ایک کو سزا دو۔" تم دیکھتے ہو کہ مجھے انقلابی پارٹی کا ممبر بنے بیس دن ہوئے ہیں اور اس عرصہ میں ڈاکہ زنی کے ایک درجن واقعات ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی سُراغ نہیں ملا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے

کہ اس سے میری شہرت کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ اب جبکہ ایک ملزم گرفتار ہوا ہے تم بیکار بحث کر رہے ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا! یہ میرا کام ہے۔"

کامیاب صوبائی امیدوار سخت پریشان تھا۔ تاہم وہ بضد تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر چوری کا مال برآمد نہ ہوا تو میں اپنے نائب منتظم کے عہدہ سے مستعفی ہو جاؤں گا۔

"شوق سے!" کیپٹن نے جواب دیا۔

یہی وجہ تھی کہ کامیاب صوبائی امیدوار کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ لیکن خوش قسمتی سے دوسرے تمام دن اس نے اپنا استعفیٰ پیش نہیں کیا۔

تیسری مرتبہ جب اہیہ کیو کو کھینچ کر ہال میں لایا گیا تو یہ اس رات کی صبح تھی جس رات کامیاب صوبائی امیدوار کو نیند نہیں آئی۔ جب وہ ہال میں پہنچا تو گھٹے ہوئے سر والا بوڑھا آدمی بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا تھا اور اہیہ کیو اس کے سامنے دوزانو تھا۔

بوڑھے آدمی نے نہایت حلیمی آواز میں اس سے دریافت کیا۔ "کیا تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

اہیہ کیو نے سوچا اور فیصلہ کیا کہ کوئی اور بات کہنے کو نہیں ہے۔ بولا۔ "نہیں۔"

لمبے چوغوں اور چھوٹی واسکٹوں والے کئی آدمی آگے آئے اور انھوں نے اہیہ کیو کو سفید لٹھے کے بدیسی کپڑے پہنا دئے۔ جن پر کالے حروف میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اہیہ کیو سخت پریشان ہوا۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا ماتمی لباس

تھا۔ اور ماتمی لباس پہننا بدقسمتی کی نشانی ہے۔ پھر اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے گئے اور اسے کھینچ کر جیل سے باہر لایا گیا۔

اٰیہہ کیو کو ایک خالی چھکڑے پر لادا گیا اور چھوٹی جیکٹوں میں ملبوس چند آدمی اس کے قریب بیٹھے تھے۔ چھکڑا ایک دم روانہ ہو گیا۔ اس کے آگے آگے پولیس اور فوج کے بہت سے سپاہی تھے جو غیر ملکی بندوقوں سے مسلح تھے۔ چھکڑے کے دونوں طرف تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ چھکڑے کے پیچھے کیا تھا وہ اٰیہہ کیو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اچانک اسے خیال آیا۔ "مجھے وہ مقتل میں تو نہیں لے جا رہے؟" اس کا دل خوف سے بھر گیا اور آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ اور کانوں کو کچھ ایسا شور سا سنائی دے رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو گیا ہو۔ لیکن دراصل وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا بعض مرتبہ وہ ڈر جاتا تھا اور بعض مرتبہ اس کی طبیعت بالکل پُرسکون ہوتی تھی۔ اُسے یُوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس دُنیا میں ہر آدمی کی قسمت میں لکھا رہتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت اس کا سر قلم کر دیا جائے۔

وہ سڑک کو پہچان رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا کہ وہ اسے قتل گاہ میں کیوں نہیں لے جا رہے؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ پبلک کو تنبیہہ کرنے کے لئے اسے گلیوں میں گھمایا جا رہا ہے۔ لیکن اگر اسے معلوم بھی ہوتا تو بھی اس سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا کہ اس دنیا میں ہر آدمی کی قسمت میں لکھا ہے کہ اسے کسی نہ کسی وقت پبلک کی تنبیہہ کے لئے گلیوں میں گھمایا جائے۔

اب اسے محسوس ہوا کہ وہ قتل گاہ کی طرف جا رہے ہیں لہٰذا یہ طے تھا کہ اسے پھانسی دی جائے گی۔ اس نے اپنی اداس نگاہیں لوگوں کے اس ہجوم پر ڈالیں جو چیونٹیوں کی طرح اس کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ غیر متوقع طور پر اسے ہجوم میں" اماہ وا" نظر آئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اسے اتنے عرصہ سے نہیں دیکھا وہ اب شہر میں ملازم ہو گئی تھی۔

ایہہ کیو کو اپنی کم حوصلگی پر ندامت محسوس ہوئی کیونکہ اس نے اوپرا کا ایک بھی بند نہیں گایا۔ اس کے خیالات بگولے کی طرح گھومنے لگے۔ "مرحوم خاوند کی قبر پر بیوہ کا گیت" شجاعت کی نشانی نہیں تھا۔ "اژدہے اور شیر کی لڑائی" کے یہ الفاظ "مجھے تمہیں ہلاک کرنے کا افسوس ہے" اچھے نہیں تھے۔ میں تمہیں "لوہے کی سلاخ سے پیٹوں گا" البتہ بہتر تھا۔ لیکن جب اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھانا چاہا تب اسے معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں چنانچہ اس نے یہ گیت بھی نہیں گایا۔

"بیس سال کے اندر میں ایک نیا انسان ہوں گا۔" ایہہ کیو نے جوشِ شہادت میں پرانی کہاوت کا یہ آدھا فقرہ دہرایا جو اس کے ذہن میں خود بخود آ گیا اگرچہ اس نے اسے نہ کبھی کسی سے سیکھا تھا اور نہ کبھی پہلے دہرایا تھا۔

"خوب! بہت خوب!!" لوگوں کے ہجوم نے بھیڑئیے کی طرح غرا کر کہا۔

چھکڑا بدستور آگے چلتا رہا۔ جب لوگ چلا رہے تھے ایہہ کیو کی نگاہیں اماہ وا کو کھوج رہی تھیں۔ اور وہ بدیسی بندوقیں دیکھنے میں منہمک تھی۔ اس نے شاید اب تک ایہہ کیو کو نہیں دیکھا تھا۔ دیکھا ہو تو شاید پہچانا نہیں تھا۔

ایہہ کیو نے ایک بار پھر "خوب! خوب!!" چلاتے ہوئے ہجوم کی طرف دیکھا۔ اس کے خیالات پھر بگولے کی طرح گھوم رہے تھے۔ چار سال پہلے پہاڑی کے دامن میں اسے ایک بھوکا بھیڑیا ملا تھا جو کافی دور تک اسے کھا لینے کے ارادہ سے اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ وہ اس درندے کو دیکھ کر بہت ڈر گیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی۔ جس کے باعث اُسے ویچنگ لوٹ جانے کی ہمت ہوئی۔ لیکن وہ بھیڑیئے کی خوفناک آنکھیں جو سُرخ لوہے کی طرح چمک رہی تھیں اور دور ہی سے اس کے جسم کے پار ہوجانا چاہتی تھیں۔ زندگی میں کبھی فراموش نہیں کرسکا۔ لیکن اب وہ اس سے بھی کہیں زیادہ خوفناک آنکھیں دیکھ رہا تھا جو کسی قدر اداس تھیں۔ لیکن ان میں صدیوں کی بھوک بھری ہوئی تھی۔ ان آنکھوں نے اس کے الفاظ کو نگل لیا تھا۔ لیکن وہ اتنی خوفناک تھیں کہ اس کے جسم اور اس کے خون سے بھی پرے کسی شے کو نگل جانا چاہتی تھیں۔ اور یہ آنکھیں کچھ فاصلے پر اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

ان آنکھوں نے ایک بڑی آنکھ کا رُوپ دھارن کرلیا تھا اور وہ اس کی روح میں اپنے دانت پیوست کررہی تھیں۔

"بچاؤ، بچاؤ!"

لیکن ایہہ کیو کی زبان سے یہ الفاظ نکلے نہیں۔ اس کی آنکھوں میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کانوں میں ایک شور سا آرہا تھا اور اسے محسوس ہورہا تھا جیسے اس کا تمام جسم ریزہ ریزہ ہوکر راستے کی دھول میں مل گیا ہو۔

جہاں تک ڈاکہ زنی کی اس واردات کا تعلق ہے وہ کامیاب صوبائی امیدوار

پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی کیونکہ چوری شدہ مال کبھی بر آمد نہیں ہوا۔ اس بات کا اس کے تمام کنبے کو سخت افسوس تھا۔ اس کے بعد چاؤ خاندان کا نمبر ہے۔ جب کامیاب امیدوار رپٹ لکھوانے شہر میں آیا تو نہ صرف یہ کہ بُرے انقلابیوں کے ہاتھ میں پڑ کر اسے اپنی چوٹی کٹوانی پڑی بلکہ رپٹ لکھوانے میں ۲۰ ڈالر صرف ہوئے۔ تمام چاؤ کنبے کو اس بات سے سخت رنج پہنچا۔ اس کے بعد ان سب نے ایک خاص قسم کے بال رکھ لئے۔ جو ایک زوال پذیر خاندان کی علامت تھے۔

جہاں تک اس واقعہ پر بحث کا تعلق ہے دیچینگ میں کوئی خاص تذکرہ نہیں ہوا۔ کیونکہ قدرتی طور پر ہر ایک شخص کہتا تھا کہ اہیہ کیو بُرا آدمی تھا اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ اسے گولی مار دی گئی تھی۔ کیونکہ اگر وہ بُرا نہ ہوتا تو اسے گولی ہی کیوں ماری جاتی؟ لیکن شہر میں حالات اس کے برعکس تھے اکثر لوگ مطمئن نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ گولی مار دینا اتنا اچھا منظر نہیں ہے جتنا سر قلم کرنا اور وہ ملزم بھی کتنا واہیات تھا جو شہر کی تمام گلیوں میں گھومتا رہا۔ لیکن اوپیرا کی ایک بھی سطر نہیں گائی۔ وہ بے کار ہی اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

